دینِ اسلام

چودھری افضل حق

قومی کتب خانہ ——— لاہور

2968

اِسلام ایک عالمگیر اِنقلابی تحریک ہے جس کا مقصد دُنیا میں ایک ایسا نظام قائم کرنا ہے جس میں بلحاظ رنگ، نسل اور قوم ہر انسان کو روحانی طور پر کامل اطمینان اور جسمانی طور پر مکمّل آسُودگی حاصل ہو۔

دُنیا کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جس میں اِسلام کے نام لیوا موجُود نہ ہوں لیکن جہاں تک اِس تحریک کے اصل مقصد کا تعلّق ہے بہت کم پُورا ہو رہا ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو آج کا مُسلمان دُوسری قوموں کے مقابلے میں زیادہ پریشان نظر آئے گا۔ اِس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مُسلمانوں نے اِسلام کی حقیقی رُوح کو سمجھنے کی جگہ اسے اپنی اغراض کے لیے آلۂ کار بنانے پر زور دیا ہے۔

چودھری افضل حق مرحُوم ان لوگوں میں سے تھے جنہیں مُسلمانوں کی اِس کمزوری کا گہرا احساس تھا۔ اِسی لیے اِس کتاب میں اُنھوں نے اِسلام کو اس کی حقیقی صُورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مُسلمان تو مُسلمان ایک منصف مزاج غیر مُسلم بھی یہ کتاب پڑھ کر اِسلام کی عظمت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

Imam Khomeini Library
Karachi.

دینِ اسلام

از

چودھری افضل حق

قومی کُتب خانہ، لاہور

۱۹۔ فیروز پور روڈ لاہور

Imam Khomeini Library
Karachi.
535
14-02-96
297.301
فضل

جملہ حقوق محفوظ ہیں

دینِ اِسلام

مصنّف ---------- چوہدری افضل حق (مرحوم)

ناشر ---------- شیخ محمد احسن ہمایوں
برائے قومی کتب خانہ، لاہور

طابع ---------- محمد احسن ہمایوں
برائے تعمیر پرنٹنگ پریس
۱۹ فیروز پور روڈ، لاہور

تعداد اشاعت ---------- ۲۰۰۰

قیمت ---------- اٹھارہ روپے

فروری ۱۹۸۸ء

پبلشرز ---قومی کتب خانہ، لاہور

فہرست

۱ - نماز کی ضرورت ۲۵
۲ - سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ ۳۲
۳ - وَتَبَارَکَ اسْمُکَ ۳۶
۴ - وَتَعَالٰی جَدُّکَ ۵۱
۵ - وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ ۵۵
۶ - پہیلی ۵۹
۷ - اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۶۶
۸ - اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۷۱
۹ - غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ - ۷۹

۱۰- کوزے میں دریا	۸۳
۱۱- واللہُ لایُحِبُّ الظّالِمِینَ	۱۳۲
۱۲- سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیم	۱۳۶
۱۳- سَمِعَ اللہُ لِمَن حَمِدَہ	۱۳۹
۱۴- سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی	۱۴۳
۱۵- دُرود	۱۵۷
۱۶- تہجّد کا وقت	۱۶۵
۱۷- اذان	۱۷۰
۱۸- وضو	۱۷۴
۱۹- روزہ	۱۷۶
۲۰- حج اور زکوٰۃ	۱۸۰
۲۱- اللہ کا سپاہی بہشت کا معمار	۱۹۸
۲۲- پروگرام	۲۰۴

دیباچہ

اِسلامی تعلیم کے اس مرکزی نقطے کو سامنے رکھو کہ اِسلام جمہور کا جمہوری مذہب ہے۔ اس لئے عقیدہ سیدھا سادہ ہونے کے علاوہ عمل میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ نہ تین میں ایک، نہ ایک میں تین۔ نہ روح و مادہ اور خدا کی بحث۔ بس ایک خالق باقی سب مخلوق۔ نہ اس کے سوا کوئی نفع پہنچائے نہ ضرر، ہمارے نبیؐ کی خصوصیت نہیں۔ بلکہ خالق نے مخلوق کی بہتری کے لئے بہترین آدمیوں کی معرفت ہر خاص و عام کو اپنا محبت بھرا پیغام پہنچایا کہ آپس میں محبت سے رہنا سیکھو۔ ایک دوسرے کی خدمت میں خوشی تلاش کرو یعنی اس دنیا میں ہی اہلِ جنت کی خصوصیت کے حامل بنو۔ جو دکھ دے گا وہ آخرت میں دکھ اٹھائے گا، جو ستائے گا وہ ستایا جائے گا۔ جو جتنی کسی کو آنچ پہنچائے۔ وہ اسی قدر

نارِ دوزخ میں جلایا جائے گا۔ جنّت کی ٹھنڈک اپنے ہی عمدہ عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ دوزخ کی آگ بھی اسی دنیا کی بداعمالی سے انسان ساتھ لے جاتا ہے۔

قومیں جب عمل سے عاری ہو جاتی ہیں تو حسنِ عمل کی بجائے چند عقائد کو ذریعۂ نجات بنا لیتی ہیں اور سیدھی راہوں کو چھوڑ کر پیچیدہ اور فلسفیانہ موشگافیوں میں پڑ جاتی ہیں۔ زبان اور دماغ کام کرتے ہیں۔ دل تاریک اور ہاتھ بیکار ہو جاتے ہیں۔

آفتابِ رسالت کو غروب ہوئے ابھی تیس برس ہوئے تھے کہ عوام کے مذہب اسلام میں دو اعلیٰ طبقوں کا ظہور شروع ہو گیا۔ خاندانی امرا، خاندانی اولیاء جب امارت وراثت میں ملتی ہے تو نیکی کے موروثی دعویدار ساتھ ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب بوریا نشین نبیؐ کی اُمت تخت نشینی پر فخر کرنے لگی اور باپ کے بعد بیٹا مسندِ خلافت پر بیٹھا تو ولیوں کی بدعمل اولاد نے قبر کے قریب قالین بچھا کر بہشت کے سرٹیفکیٹ نذر دینے والوں میں بانٹنے شروع کر دیئے۔ یہ تو نبی کریمؐ اور خلفائے راشدینؓ کی زندگی کا پرتوِ جمال تھا۔ جس نے مسلم عوام کے دلوں کو اخوّت و مساوات اور عبادت کی روشنی بن کر منوّر رکھا۔ لیکن مسلمان شہنشاہوں نے عوام کے جوشِ جہاد سے اپنے محلّات کی تعمیر کا کام لیا۔ مسلمانوں کا خلوص خاص امراء کی عیش پرستیوں کے لئے استعمال ہوا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ وہ دین جو ساری دنیا پر نیکی کا سایہ بن کر راحت کا باعث ہونے والا تھا اہلِ جہاں کی نگاہ میں خوار ہوا۔

خدا کا منشا اور رسولؐ کی توقعات یہ تھیں کہ مسلمان دنیا کی برات کا دولھا بنے گا

اور نیکی کو دلہن بنائے گا۔ بنی نوع انسان کی پُرخلوص خدمت اور بے پناہ قربانی کے باعث سب کا سردار ہوگا۔ لیکن وہ جہالت اور خود غرضی کے باعث عیسائی حکومتوں کا ذلیل غلام ہوگیا۔ دنیا کی رہنمائی کا عزم کہاں۔ بے ہمتی نے مسلمان نوجوان کی عالی اُمنگوں کو برباد کر دیا ہے۔ اب کوئی قرآن کے اوراق لئے لئے کہاں پھرے۔ درخت تو اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ جب ہمارا عمل نفرت انگیز ہے تو ہماری کتاب کو کوئی کیا پڑھے!

بے شک صدیوں کے بعد مسلمان کروٹ لے رہا ہے۔ کیونکہ اب زمانہ نئے دور سے گزر رہا ہے۔ جن اسلامی تعلیمات کا دنیا مضحکہ اڑاتی تھی۔ آج اسی کو راہِ نجات سمجھتی ہے۔ قرآن نے سود کو ممنوع قرار دیا اور سرمایہ داری پر بُری طرح کاری ضرب لگائی۔ سرمایہ پرست لوگوں نے حکمِ قرآن کو بدعقلوں کا قانون بتایا لیکن سرمایہ داری اب ہمیشہ کی نیند سوئی جا رہی ہے۔ اگرچہ مسلمانوں نے اپنے عمل سے اسلام کی سچائیوں کو جھٹلایا۔ مگر حالاتِ زمانہ نے مجبوری کا سر اس کے سامنے جھکا دیا۔ آج دنیا کے ایوانوں میں غریبوں کے نظام کا غلغلہ اسلام کے ابتدائی ایّام کی بازگشت معلوم ہوتا ہے۔ یوں نظر آتا ہے کہ مارکس نے اسلامی اقتصادیات کے اوراق کو پھاڑ کر اپنے "سرمایہ" میں شامل کر لیا ہے۔ لینن اور سٹالن سیاسیات میں فاروقِ اعظمؓ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر غیر مسلم کو یہ سب دعوے جھوٹ سے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے سامنے اسلام کی ساری تاریخ شہنشاہوں اور نوابوں کی تاریخ ہے۔ ساڑھے تیرہ سو برس میں ابتدائی تیس برس ہوئے یا نہ ہوئے۔ باقی مدت تو مساوات کا کہیں نام نہ رہا

تھا۔ جس پر اسلامی تاریخ کو بجا ناز ہو سکتا۔ خیر دنیا ختم نہیں ہو گئی۔ صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو بھولا نہ سمجھو!

سود کے بعد شراب کی حرمت کے باعث اسلام خشک مذہب تصور ہوتا تھا' دیکھا دیکھی عوام مسلمان بھی پی کر بازاروں میں ننگے ناچنے لگے تھے، امراء نے ناشتے کے بعد نشہ کرنا فیشن قرار دے لیا تھا۔ رنگین مزاج نوجوان تو نشہ بندی کے اسلامی قانون کا اعلانیہ استہزا کرنے لگے تھے۔ لیکن ہندوستان[1] اور امریکہ میں شراب کے خلاف قیامت کی آواز اٹھی۔ اس ملک کی ۴۰ کروڑ مخلوق نشہ بندی کو ملک کا قانون بنانے کے لئے جیلوں کو آباد کر رہی ہے اور یوں ان کے عمل سے اسلام کی تائید مزید ہوتی چلی جاتی ہے۔

نبی کریمؐ نے پختہ ایوان اور عالی شان مکان بنانے سے کراہت کی۔ چاروں خلفاء نے باوجود عظیم سلطنت کے اس پر عمل جاری رکھا۔ آج لندن اور برلن میں سرمایہ کے ان ستونوں کی تباہی اور بربادی کو جا کر دیکھو۔ سائنس کی موجودہ ترقیات کے ہاتھوں غریب کی جھونپڑی تو بچ رہے تو بچ رہے۔ آئندہ جنگوں میں امیر کا محل بچنے کی تو کوئی صورت نہیں۔

قوم پرستی نے مذہب اور خدا کی جگہ لے لی تھی۔ اسلام ملک اور نسل کی سب حد بندیوں کے خلاف تھا۔ سچے مسلمان کا نعرہ یہ تھا ع

---

[1] - یہ کتاب تقسیم ملک سے پہلے اس زمانے میں لکھی گئی، جب کانگرسی رضا کار شراب کی دکانوں پر پکٹنگ کر رہے تھے۔

ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

تاہم گذشتہ صدی سے ہر اسلامی ملک نے یورپ کے اتباع میں قومیت کو رواج دے کر ملّت اسلامیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے ملکوں پہ تقسیم کر لیا۔ اسلامی تعلیم کے خلاف کھلی بغاوت اب رنگ لا رہی ہے۔ مصر۔عرب۔ایران۔ افغانستان اور ترکی کے یہ الگ الگ ٹکڑے انگریزی اور امریکی۔ اٹلی اور جرمنی کی متحدہ قوموں کے مقابلے میں ایک ایک آکر کیا تیر مار یں گے۔ پچاس کروڑ مسلمان بیس ملکوں میں بٹے نیشنلزم کی رٹ لگا کر کب تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ پھر انہیں ایک مرکزی نظام بنانا پڑے گا۔ ورنہ زندگی کی کوئی صورت نہیں۔

ہم نے تو اسلام کو جو سُچے موتیوں کی مالا تھی۔ گلے سے اتار کر پرے پھینک دیا تھا۔ لیکن جوہریوں نے اسے اپنے ملک اور قوم کی زیب و زینت بنانے کے لئے اٹھا لیا۔ کسی کے کہے سنے اب ہمیں اپنے مذہب میں اچھائی نظر آنے لگی۔ روزے پہلے ایک بے سود فاقہ سمجھے جاتے تھے۔ اب روحانی ترقی اور برکت کا باعث اس لئے ہیں کہ اس ملک کا مہاتما گاندھی روزے کو اپنی زندگی کا ضروری جزو سمجھتا ہے۔

اب سب کچھ کھو کر پھر تلاش کا سودا سر میں سمایا ہے۔ گذشتہ جنگ (۱۹۱۴ء) کے پہلے اور بعد جس طرح یورپی قوموں نے ترکی کا تیا پانچہ کیا اور اسلامی ملک کو خوان یغما سمجھ کر بانٹا۔ اس نے ایک عام سیاسی تڑپ سی پیدا کر دی۔ اب ہر دماغ میں سیاسی سربلندی کا ایک پروگرام ہے۔ کوئی بیلچہ اٹھا کر چپ راست

کرنا ہے۔ کوئی کلہاڑی سنبھالے ہمیں پیار پکارتا ہے۔ کوئی اقبالؒ مرحوم کی نظموں کو بغل میں دبائے جھوم جھوم کر اشعار پڑھنے پر اکتفا کرتا ہے۔ رنگ جو ہو مگر مگن ضرور ہے۔ عمل اور سیاسی غلبہ سب تحریکوں کا مرکزی نقطہ ہے، لیکن ہر عامل اور غالب قوم مسلمان نہیں۔ اگرچہ مسلمان کا عامل اور غالب آنا ضروری ہے۔ کوئی عمل اور غلبہ معتبر نہیں۔ جب تک اسلامی رنگ نہ ہو۔ جہاد اسلامی تعلیمات کی جان ہے۔ مگر پُرامن ہمسائے کے خلاف یا لوٹ کی نیت سے نہیں اور نہ اس لئے کہ غیروں کے جھنڈے تلے منظم ہو کر مسلمانوں کی بیکس بستیوں کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے نکلیں یا غیر مسلم مظلوموں پر ستم ڈھانے کو ابلیس کا آلۂ کار بن جائیں۔ زندگی میں جینی جان کی بازی بھی لگانا۔ پھر حق کی حمایت میں نہ لڑنا۔ بلکہ ناانصافی کا ساتھی بن کر جان دینا بڑی بدنصیبی ہے۔ اسلام کا دنیا میں سیاسی غلبہ اسلام کے جزوں میں ایک ضروری جزو ہے۔ مگر یہ غلبہ انصاف کی بنا اور خدمتِ خلق کی بنیاد پر ہونا ضروری ہے۔

اب ہندوستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں سیاسی شعور ترقی پذیر ہے۔ ہر ملک غلامی کی زنجیروں سے آزادی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن آج ہی ہمیں اپنے عمل کا جائزہ لینا چاہیئے اور اپنی منزل معین کرلینی چاہیئے۔ ہم دنیا میں نام نہاد مسلمانوں کا غلبہ نہیں۔ اسلام یعنی نیکی کا غلبہ چاہتے

نوٹ صفحہ (۹)، لہ خاکسار تحریک کی طرف اشارہ ہے، جسے علامہ عنایت اللہ خاں المشرقیؒ نے ۱۹۳۲ء میں شروع کیا تھا۔

ہیں ہمیں ایسے عادلانہ نظام کے لئے مرمٹنا چاہیے۔ جس میں قرآن حکیم کے حکم کے مطابق کسی قوم سے دشمنی ناانصافی کا باعث نہ ہوسکے۔ غور کرو کہ مسلمان ممالک میں جو اور جس قسم کی حکومتیں ہیں۔ غریب مسلمانوں کی زندگی آنسوؤں کی درد بھری کہانی ہے اور ان کے دل مفلسی کے باعث آہوں کی بستی ہیں۔ سلاطین اور امراء کے محلات میں حسن اور عشق پھولوں کی سیج پر سوتے ہیں شہنشاہی سطوت کی اگر اسلامی نظام میں گنجائش ہوتی تو قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج مسلمانوں کے پاؤں کی ٹھوکروں میں نہ ہوتے بلکہ اُن سے محبت کی پینگیں بڑھائی جاتیں۔۔۔ حضرت عمرؓ یونہی اللہ کا نام لے کر سب پر چڑھائی نہ کر دیتے۔ اس زمانے میں افراد اور خاندان حکمران تھے۔ عوام کا آرام خواص پر قربان تھا۔ اس لئے ان کو گرا کر عوام یعنی اسلام کی حکومت قائم کی گئی۔ فاروق اعظمؓ نے غیر مسلم عوام سے عادلانہ معاہدات کئے اور انہیں نیکی اور بھلائی کے نظام میں بطور برابر کے شریک کیا۔ ان کی مذہبی آزادی کو محفوظ رکھنے کے علاوہ بیت المال پر اُن کا اقتصادی حق تسلیم کر لیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ سب ملکوں کی رعایا نے اپنے ہم مذہب سلاطین کے خلاف اسلامی افواج کی مدد کی۔ کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ اسلام کے سیاسی دامن کے سوا کہیں اقتصادی اور مجلسی مساوات نہیں وہ باوجود مذہبی عقائد کے اختلاف کے اسلامی نظام میں پانی میں مچھلی کی طرح آسودہ تھے۔ اگر عسکری تدبیر کی بنا پر مسلمانوں کو کوئی شہر خالی کرنا پڑا تو ساری غیر مسلم آبادی رو دی۔ کیونکہ انہیں اپنے ہم مذہب سرمایہ داروں اور ارباب اقتدار کی ظالمانہ اور غیر مساویانہ روش یاد آتی تھی۔

اسلامی غلبے کا غلط تصور کہیں بنی نوع انسان کی بیش از بیش مصیبتوں کا باعث نہ ہو جائے۔ پہلے اسلام کی حقیقت کو سمجھ لو کہ یہ سب کی سلامتی اور امن کا پیغام ہے۔ جب یہ مذہب کسی کے دین میں مداخلت کو سچی دینداری کے خلاف سمجھتا ہے تو خوب جان لو کہ مسلمانوں کا وہ غلبہ اسلام کا غلبہ نہیں جو یزید کی تخت نشینی کے بعد حاصل ہؤا۔ کیونکہ پھر تو مسلمان عوام بھی سلاطین کے زرخرید غلام سے بدتر ہو گئے۔ حالانکہ قرآن غلام کو بھی آزاد کرنے یا برابر کا بھائی سمجھنے کا حکم دیتا ہے ہاں اب عمل جہاد اور سیاسی سربلندی کی آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ چشم ما روشن دل ماشاد۔ غلبۂ اسلام کے ان شیدائیوں کی جتنی قدر کی جائے کم ہے لیکن اسلامی زندگی کے بغیر مسلمانوں کا سیاسی غلبہ دوسری قوموں کے امپیریلیزم کی طرح غریب اور کمزور قوموں کی بربادی کا باعث ہوگا۔ اسلام کے مدعی اگر غیر عادلانہ، سرمایہ دارانہ اور فرقہ دارانہ نظام قائم کرنے کے لئے قربانیاں کریں گے تو اندیشہ ہے کہ خدا کے غصے کے سزاوار ہوں گے۔ اسلامی نظام وہ ہے جس میں خلیفۂ وقت کا دعویٰ معمولی یہودی کے مقابلے میں عدم ثبوت کی بنا پر خارج ہو جائے۔ یعنی حضرت علیؑ جیسا حق گو باوجود حسینؑ پاکباز کی شہادت کے زرہ کی ڈگری ایک ماتحت عدالت سے عدم ثبوت کے باعث نہ پا سکے پس ایسا نظام جس میں قوم پر سردار کو کوئی مجلسی، قانونی اور اقتصادی فوقیت نہ ہو اسلامی غلبے کا نظام ہے۔

عام سیاسی سربلندی شیطانی شجر ہے۔ دولت۔ اقتدار۔ عیش اور غرور اس کی چار شاخیں ہیں۔ اس درخت کے سائے نے عموماً قوم کی مستورات کو

برباد کیا اور چند لوگوں نے قوم کی روحانیت کو لوٹ لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نبی نوع انسان نے آج تک کہیں پناہ نہ پائی کہ وہ امن کی زندگی بسر کر سکے۔ کون قوم ہے جو سیاسی طور پر سربلند ہو کر سلاطین کے ہاتھ میں کٹھ پتلی نہ بن گئی۔ اوروں پر ظلم تو ڈھانا ہی تھا۔ اپنی ہی قوم میں گروہ اور طبقات پیدا ہو گئے۔ اوپر کے طبقے نے نچلے طبقے کو جی بھر کر لوٹا۔ اور ان کی زندگی موت سے بدتر کر دی۔

ان تمام اجتماعی اور انفرادی کمزوریوں کو رفع کر کے انسانی سوسائٹی کو بدمعاشوں اور لیڈروں کے گروہ کی بجائے پُرامن اور پاک باز لوگوں کی مجلس بنانے کے لئے اسلام نے ہمیں نماز کا نسخہ بتایا ہے تاکہ ہم روحانی ورزش اور محنت سے پہلے اپنی فطرت کو سعید بنائیں اور نیک لوگوں کو منظم کر کے نیکی کے نظام کو دنیا میں استوار کریں۔ اپنا عمل اور اپنی ذات، اپنے خاندان، اپنی قوم، اپنے ملک کی بھلائی تک محدود رکھنا چھوڑ دیں بلکہ سعی و عمل کی بنیادیں خدا کی خوشنودی پر رکھیں تاکہ انسان کی انفرادیت فنا ہو کر اقتدار، دولت، شہرت اور عیش کی ساری آرزوئیں دل سے مٹ جائیں۔

عزیزو! عبادت کے بغیر دل ویرانہ ہو جاتا ہے۔ سعی و عمل کی امنگیں جوانی کے دنوں میں اٹھتی ہیں۔ مگر بادِ صرصر کا طوفان بن کر اقتدار، دولت، شہرت اور عیش کے تقاضوں میں سچی زندگی کا تصور ملیا میٹ ہو جاتا ہے اور انسان شیطان کے ہاتھ میں ناانصافی اور ظلم کا آلۂ کار بن جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں نے اپنی ہمّت سے معرکے سر کئے ہیں۔ حالانکہ اقتدار، دولت، شہرت اور عیش چند روزہ زندگی کی تباہ کن مصروفیتوں کے سوا کچھ نہیں۔ سیاسی سربلندی وہی مطلوب ہے

جس کا نتیجہ مساوات، انصاف، محبّت اور خدمت ہو۔

نمازیں دنیا کی عبادات میں عزور کش ہیں۔ وہ خدا سے تعلق پیدا کرنے کا کیمیاوی نسخہ ہیں۔ اس کے متواتر استعمال سے دل سے خدمت لینے کا جذبہ نکل جاتا ہے، خدمت کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ مسلمان کسی قوم، ملک یا باشندے کا نام نہیں۔ وہ اللہ والوں کی جماعت ہے۔ جس کا کام اللہ کی عبادت اور عوام کی خدمت میں جان لڑا دینا ہے۔

کافر خدا کی عبادت کو کارِ بے کارواں کہے مگر سچّا مسلمان ایسا نہیں سمجھتا۔ تمام زمانے کے نیکوں نے خدا سے لَو لگانے کو شخصی اطمینان اور اجتماعی بھلائی کے لئے ضروری قرار دیا۔ جتنا اللہ سے تعلق بڑھے گا۔ اتنا ہی طبیعت میں خدمتِ خلق کا جوش اور رات دن کام کرنے کی خواہش بڑھے گی۔ وہ عبادات جو عمل سے عاری کردیں۔ ان میں دکھاوے اور دنیا فریبی کا عنصر ہوتا ہے۔ ورنہ نمازیں حسنِ عمل پر آمادہ کرنے کا تیر بہدف نسخہ ہیں۔ نمازیں اللہ کی اطاعت کا اقرار اور قرآنی احکامات کی تعمیل کا وعدہ ہیں۔ اگر نمازیں پڑھ کر دل خود غرضیوں، شہرت پسندیوں، اقتدار اور دولت طلبیوں سے رُک نہ جائے اور انسان کی انسانیت کے بلند کرنے کے لئے بیقرار نہ ہو جائے تو جانو تم نے نمازیں نہیں پڑھیں۔

اس وقت اسلامی دنیا پر غیر مسلم چھائے ہوئے ہیں۔ مسلمان نوجوان کو سمجھایا یہ جا رہا ہے کہ نمازیں بیکار ہیں۔ ان سے سربلندی پیدا نہیں ہو سکتی۔ نمازوں میں مصروف جماعت پر اگر چند ڈاکو قابو پالیں تو یہ پکار کر کیوں کہا جائے کہ صاحبو! تمہاری نمازیں بیکار ہیں۔ ہاں یہ کہنا چاہیئے۔ کہ نمازیں پڑھنے والے لوگو ہمیشہ

ہتھیار بند رہو۔ اخطرے کے وقت آدھے نماز پڑھو اور آدھے پہرہ دو۔ یہ نہ کرو۔ کہ نماز ہی چھوڑ دو۔

لیکن اب تو عبادات کے خلاف منظم جماعت بندی شروع ہے۔ بے عمل ملاّ اور قبر فروش صوفی کے خلاف ہی جہاد جاری نہیں۔ بلکہ سرے سے نماز کی افضلیت پر بحث ہے۔ ایک گروہ سیاسی غلبے کو عین اسلام سمجھتا ہے۔ نیکی کا معیار سیاسی ہے خواہ چند ڈاکو ہی اٹھ کر لوگوں کی گردن دبا لیں۔ عزیزو! اس دھوکے میں نہ آؤ۔ عیسائی سلاطین کا غلبہ اس قوم کے چند عمدہ پہلوؤں کی دلیل ہے اوّل درجہ میں ان کی مسلمانوں کے مقابلے میں عمدہ ہتھیار بندی اور ایثار۔ مسلمانوں میں جوشِ جہاد کی اب بھی کیا کمی ہے مگر پرانی توپوں کو لے کر سو میل سے گولے اگلنے والی توپوں کا مقابلہ درحقیقت برہنہ چھاتی پر گولی کھانے کے برابر ہے۔ پس چند عیسائی اقوام کا اسلامی ممالک پر قبضہ عیسائی قوم کے خدا کی طرف سے انعام یافتہ ہونے کی دلیل نہیں بلکہ ڈاکوؤں کی مثال ہے جو بے خبری میں شریف شہریوں پر قابض ہو جائیں۔ یہ بے خبری قابلِ ملامت ہے مگر ڈاکوؤں کی چیرہ دستی ستائش کے لائق نہیں۔ مسلمان کا خدا سے پختہ تعلق اور حسنِ اخلاق عوام کی بہترین خدمت اور جذبۂ ایثار کا لازمی نتیجہ دنیا میں اخلاقی غلبہ ہونا چاہیے۔ سیاسی غلبہ ضمنی ہے اسلام کے نزدیک اصل غلبہ اخلاقی غلبہ ہے یہ خدمتِ خلق کے بغیر ممکن نہیں اور خدمتِ خلق کا جذبہ بغیر خالق کی عبادت کے مستقل طور پر پیدا نہیں ہوتا۔ جوانی کا جوش بعض لوگوں کو ابتدائے عمر میں نیک کاموں کی طرف لگاتا ہے۔ خدا سے لَو لگنے کی کمی سے آہستہ آہستہ یہ خدمت گذاری کا ولولہ بڑھاپے تک ختم ہو جاتا

ہے۔ خدا کے پاک بندوں کے جوش اور ولولے مرتے دم تک باقی رہتے ہیں، جب قوم میں عبادت اور خدمت دونوں کے عامل کثرت سے پیدا ہو جاتے ہیں جو علم حق اور انصاف کے لئے سب کچھ قربان کر دیتے ہیں تو صحیح معنوں میں قوم غالب ہو جاتی ہے۔

اے عزیزو! بعض اوقات عبادت کی کثرت خدمتِ خلق سے لاپروا کر دیتی ہے۔ اور کبھی خدمتِ خلق کا جوش عباداتِ الٰہی سے غافل کر دیتا ہے، دونوں صورتیں نامناسب ہیں۔ ایک کی طرف رجحان ہو تو طبیعت پر بوجھ دے کہ دوسری صورت قائم رکھنی چاہیے۔ خدمت اور عبادت دونوں پلڑے برابر رکھنے کا نام سلامتی اور اسلام ہے۔

ہندوستان میں سوامی دیانند کا ظہور ہندو قوم میں محض سیاسی غلبہ اور دنیوی ترقی کی پکار تھی۔ ہندو نوجوان ہمارے نوجوان کی طرح ذکرِ حق سے غافل ہو کر سیاسی غلبے کا شیدا ہو گیا ہے۔ مجھے آریہ سماج کی روحانی موت اور سیاسی اور تعلیمی زندگی سے اس قوم کے لئے خدشات نظر آتے ہیں۔ لیکن مہاتما گاندھی نے اپنے عمل کی بنیاد پھر خدا کی محبت پر رکھ کر ہندو قوم کو اور زندگی دے دی۔ کیونکہ خدا کی محبت کے بغیر ہماری انسانی ترقی انسانوں کی غارتگری کے کام آتی ہے۔ مہاتما گاندھی نے نمازوں کو مقدم کر لیا اور روزے کو اپنی روح کے آرام کے لئے ضروری سمجھا۔ اگرچہ گاندھی اسلام نہ لایا مگر اسلامی اصولوں کی پیروی کر کے عبادت اور خدمت دونوں کے پلڑوں کو برابر رکھ کر بڑھ رہا ہے۔ یہ عمل قوموں کی زندگی کو بڑھاتا ہے اور انہیں دنیا میں برتر کرتا ہے۔

میں نے اپنی عمر میں بیسیوں ہندوؤں اور سکھوں کو مسلمانوں کے طریقِ عبادت کو سب سے فائق بیان کرتے سنا ہے۔ ان کے یقین دلانے سے نہیں بلکہ اپنی سمجھ سے نماز کو زندگی کی معراج سمجھتا ہوں۔ نمازیں کبھی دل شکستہ نہیں ہونے دیتیں۔ بڑھاپے اور بیماری میں بھی ہمت کو جوان اور روح کو تندرست رکھتی ہیں۔ سچا مسلمان ہمیشہ نئی آنکھوں سے دنیا کو دیکھتا ہے! اور غریبی میں بھی امیری کرتا ہے۔

کاش مسلمان نمازمیں آیات کے معنی سمجھتا! ہماری نمازوں کی کمزوری اور کم نتیجہ خیز ہونے کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمیں علم نہیں کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں! جو نمازوں کو سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ وہ دین کی دولت اکٹھی کر لیتے ہیں۔ انہیں جنت اور خوشی کا سیدھا راستہ نظر آنے لگتا ہے۔ ان کا عمل عبادت کا جزو ہو جاتا ہے۔

کیا تدبیر کریں کہ مسلمانوں کی نظر نماز کے معنوں پر پڑے! نماز حسنِ عبادت ہی نہیں بلکہ حسنِ عمل کی سب سے بڑی محرّک ہے۔ اگر کسی زمانے میں مسلمانوں نے اس مشکل کا حل نکال لیا تو جانو زندگی کی دشواریوں کو آسان کر لیا۔ علمائے دین کا کام یہ ہے کہ سوچیں کہ نماز اپنی زبان میں بھی ادا ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو عربی زبان کو گھریلو زبان بنانے کی پوری سعی ہونی چاہیئے۔ اربابِ دانش جانتے ہیں کہ عربی کو عام کرنے میں سیاسی۔ اقتصادی مکان اور زمان کی کتنی الجھنیں ہیں۔ پس نماز کے بارے میں اگر عربی زبان ضروری شرط ہے تو ہماری روحانی رفعت اور عمل کی پاکیزگی ایک بڑی مہم بن کے رہ جاتی ہے۔ مادری زبان کے سوا اور زبان کو سمجھنے کے لئے ایک عمر کی محنتِ شاقہ چاہیئے۔ کوئی قوم انسانی تاریخ میں کامیاب نہیں ہو سکی کہ اس کے عوام دو زبانوں کو سمجھ سکیں۔ اللہ کے دین کو عام

کرنے میں لسانی سوال ایک سدِ سکندری بن کے رہ گیا ہے۔ جہاں ملکوں کی سرحدات ملتی ہیں وہاں روزانہ ملکیوں کے میل ملاپ سے بے ساختہ کچھ لوگ ایک دوسرے کی زبان سمجھنے لگتے ہیں۔ ورنہ اندرونِ ملک کے لوگ ایک زبان کے سوا دوسری زبان نہیں سمجھتے۔ نماز فرض کفایہ نہیں کہ چند آدمی ادا کریں تو باقی سب بچ جائیں عربی زبان کو صحیح یا غلط ہم نے مذہبی زبان قرار دیا ہے۔ اس کے بغیر اگر عبادت ممکن نہیں تو ساتھ ہی یہ لحاظ رکھنا چاہیئے کہ نماز اور قرآن صرف برکت کی چیز رہ گئی ہے۔ سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے نہیں ہے۔ ہندوستان میں ہم نے اردو کو عربی سے اہمیت دے رکھی ہے جو اکثر صوبوں کی زبانوں سے بالکل مختلف ہے۔ مادری زبان الگ۔ اُردو زبان الگ اور اس پر مذہب کا اصرار کہ عربی پڑھو۔ غلامی کا تقاضا کہ حکمرانوں کی زبان سیکھو۔ اہلِ وطن کی یہ ضد کہ ہندی کو فروغ دو۔ بیچارہ مسلمان چوراہے پر حیران کھڑا سوچتا ہے کہ کونسی راہ اختیار کرے!

اسلام عوام کا مذہب تھا۔ عربی نہ جاننے کے باعث صرف علماء کے استعمال کی چیز رہ گیا ہے۔ اہلِ مذہب کی پکار یہ ہے کہ ہماری زندگی کی ہر حرکت قرآن سے ماخوذ ہو۔ خدا کا بڑا احسان ہوا کہ قرآن کے ترجمے ہو گئے۔ اسلام کا علم پڑھا اور کسی قدر سہولت پیدا ہو گئی۔ لیکن بچانوے فیصدی مسلمان ابھی لکھنے پڑھنے سے معذور رہیں۔ باوجود اس سہولت کے عوام قرآن پڑھنے سے معذور رہیں۔ مذہب کی محبت کی بنا پر عوام عربی میں قرآن پڑھنے کو ہی صرف قرآن پڑھنا سمجھتے ہیں۔ قرآن کے ترجمے کو سن کر ان کی طبیعت کو تسلّی نہیں ہوتی کیونکہ پشتوں سے یہی تعلیم ہے کہ نماز اور قرآن کو عربی میں پڑھنا ہی نماز اور قرآن پڑھنا ہے۔

شاید ان کی مجبوریوں اور لاچاریوں کو مدِّنظر رکھ کر ترکوں نے عربی کو نمازوں میں ترک کر کے ترکی میں پڑھنے کا فیصلہ کیا۔ بہر حال عوام کی زندگی کو قرآن کے مطابق ڈھالنے کی راہ میں لسّانی سوال ضرور غور طلب ہے۔ ہمیں اس کا مناسب حل سوچنا چاہیے۔

عام قیاس یہی ہے کہ ایک وقت میں دو کام اور ایک لمحے میں دو دھیان نہیں ہو سکتے۔ اس لئے بعض کے نزدیک ہر وقت خدا کے دھیان سے دنیا کے کام میں خلل کا اندیشہ ہوتا ہے۔ یہ اندیشے قطعی غلط ہیں۔ قرآن کا حکم یہی ہے کہ خدا کے نام کی تسبیح صبح و شام کرو۔ کثرتِ ذکر سے توجہ بٹتی نہیں بڑھتی ہے۔ قوتِ فکر اور زیادہ ہوتی ہے۔ انسان دنیا کے کام کو کتنا وقت دے سکتا ہے۔ چھ گھنٹے کام کر کے تھک تھکا کر چور ہو جاتا ہے، پھر خوش ہونے کی ضرورت محسوس کرتا ہے بعض اوقات تفریح طبع کے لئے دوستوں میں بیٹھ کر واہی تباہی بکتا ہے معصوم مذاق نبی کریمؐ کی سنّت ہے اور چھوٹے بچوّں سے کھیلنا ہمارے پاک پیغمبرؐ کی معصوم تفریح۔ سپاہیانہ کھیل ان کا سامانِ دل بستگی تھا۔ بیماروں کی عیادت، مسافروں کی خدمت ان کا معمول تھا۔ بار بار زبان پر خدا کے ذکر، ہر گھڑی اس کے دھیان اور ان مصروفیتوں میں کوئی تضاد نہیں۔ بلکہ خدا کے ذکر اور دھیان کے ساتھ کھیلوں کی خوشی، خدمت کے ولولے زیادہ ہو جاتے ہیں۔ کام کی ہمت دو گنا ہو جاتی ہے۔

نماز اور ذکر تو دل کو ہر وقت خوش رکھنے اور دنیا کے کام سے کبھی نہ تھکنے کی دوا ہے بعض لوگوں کو نماز کا نشہ کافی ہوتا ہے بعض بزرگ اس نشے کو دو آتشہ

کرنے کے لئے چلتے پھرتے اللہ اللہ یا اس کی حمد کی تسبیح کرتے ہیں۔ لیکن نمازوں کے بعد بغیر ضرورت مسجد میں نہ ٹھہرو۔ بلکہ کسب معاش، خدمتِ خلق یا سپاہیانہ کھیلوں اور معصوم تفریحات میں لگ جاؤ!

نماز اور ذکر سے دل دُنیا سے ضرور اچاٹ ہو جانا چاہیئے۔ لیکن دنیا کے کام میں دل بستگی زیادہ ہونی چاہیئے۔ دنیا سے دِل اچاٹ ہوگا۔ خود غرضی شہرت۔ نام اور نمود پر مرنا کم ہو جائے گا اور مخلوقِ خدا کی بے غرضانہ خدمت کا پاک جذبہ ترقی کرے گا۔ دن رات کام کے بغیر آرام نہ آئے گا۔ دنیا پریم نگری نظر آئے گی اور تمہارے سارے کام محبت ہو جائیں۔ جس سے آج تک کوئی انسان نہیں تھکا۔ تمہارا کمانا عبادت، کھیلنا عبادت سب کچھ عبادت ہی عبادت ہو جائے گا۔

اگر نماز اور عبادت سے کام کے اوقات میں زیادتی اور محنت میں دل بستگی زیادہ نہ ہو اور بیکار رہنے کو جی چاہے یا طبیعت میں فواحشات کی طرف رغبت ہو تو نماز پر توجہ زیادہ کرو۔ تاکہ ہمّت عود کر آئے۔ اور خدا کے ذکر کی برکت سے شیطان تمہارے راستوں سے ہٹ جائے۔ فرض نمازوں کے علاوہ اگر نمازِ تہجد کو معمول بنا سکو تو سونے پر سہاگہ ہے۔ ولایت کے درجہ کا یہ ضروری جزو ہے اس سے مردہ دِل جلدی زندہ ہو جاتا ہے۔ بیمار رُوح تھوڑے عرصے میں شفا حاصل کرتی ہے۔ بڑھاپے میں ہمّت جوان ہوتی ہے۔ جوان عوام کا راج اور عادلانہ نظام قائم کرنے کے لئے اپنے آپ کو مستعد پاتے ہیں۔ موت کا خوف کم ہو جاتا ہے ایثار اور قربانی کا جذبہ بڑھ جاتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو رحم کرنیوالا اور مہربان ہے،

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

اے ایمان والو!

لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ

دُگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور خدا سے ڈرو

لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۚ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ

تاکہ نجات حاصل کرو اور دوزخ کی آگ سے بچو جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۚ وَسَارِعُوۡۤا

اور خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے اور اپنے

اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ

پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض زمین اور آسمان کے

الۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۙ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ فِى السَّرَّآءِ

برابر ہے اور جو خدا سے ڈرنے والوں کیلئے تیار کیگئی ہے۔ جو آسودگی اور تنگی میں اپنا مال خدا کی

وَالضَّرَّآءِ وَالۡكٰظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ وَالۡعَافِيۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ

راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو روکتے ہیں۔ اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۚ وَالَّذِيۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً

اور خدا نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جب کوئی کھلا گناہ

اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا
یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے اور بخشش مانگتے ہیں

لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠
اپنے گناہوں کی ۔ اور خدا کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے!

وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ
اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے ۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ
ایسے ہی لوگوں کا صلہ پروردگار کی طرف سے بخشش اور باغ ہیں۔

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ
جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ان میں ہمیشہ بستے رہیں گے۔

وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ
اور (اچھے) کام کرنیوالوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔ تم لوگوں سے پہلے بھی بہت سے واقعات گزر چکے ہیں۔

سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ
تو تم زمین میں سیر کر کے دیکھ لو ۔ اور دیکھ لو کہ

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ
جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ یہ (قرآن) لوگوں کے لئے

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ وَلَا تَهِنُوْا
بیان صریح اور اہل تقویٰ کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے ۔ اور (دیکھو) بے دل نہ ہونا

وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ
اور نہ کسی قسم کا غم کرنا اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی
مُّؤْمِنِيْنَ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ
غالب رہو گے۔ اگر تمہیں زخم (شکست) لگا ہے تو ان
الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا
لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے۔ اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں
بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
میں بدلتے رہتے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ خدا ایمان والوں کو
وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ
متمیز کر دے اور تم میں سے گواہ بنائے۔ اور خدا بے انصافوں کو پسند نہیں کرتا۔
وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ
اور یہ بھی مقصود تھا کہ خدا ایمان والوں کو خالص (مومن) بنا دے اور کافروں کو نابود کر دے
اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا
کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بے آزمائش) بہشت میں جا داخل ہو گے۔ (حالانکہ) ابھی خدا نے
يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ
تم میں سے جہاد کرنے والوں کو اچھی طرح معلوم کیا ہی نہیں اور
وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ
(یہ بھی مقصود ہے) وہ ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کرے اور تم

الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ص فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ

موت (شہادت) کے آنے سے پہلے اس کی تمنا کیا کرتے تھے۔ سو تم نے اُس کو

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ

آنکھوں سے دیکھ لیا۔

نماز کی ضرورت

ہوشیار ــــــــ اے مردِ مومن ہوشیار !

خوبصورت سانپ کے اندر ہلاک کرنے والا زہر ہے ۔ دوزخ کا راستہ حسین نظاروں سے بھرا پڑا ہے ۔ جہاں پھولوں کے فرش بچھے ہیں ۔ حسن عشق سے ہم آغوش ہے ۔ راگ رنگ اڑاتا ہے ۔ ابر شعر و شراب کی بارش برساتا ہے ۔ ساری زنجیروں کو توڑ کر ان راستوں کی سیر کو جی چاہتا ہے کیونکہ وہاں ہر وقت بہار چھائی رہتی ہے ۔ خوشبو دوش ہوا پر گلگشت کرتی ہے ۔ وہاں صبح طبا شیر اڑاتی آتی ہے ۔ شام شفق کے سنہری بادل لطفِ نظارہ کے لئے پیش کرتی ہے ۔

ایک اور راستہ بھی کھلا ہے ۔ سخت سنگلاخ اور دشوار گذار دکھائی دیتا ہے ۔ ادھر کہیں باو ریت کے طوفان اُٹھتے اور کہیں گرم ہواؤں کے بگولے سامانِ ہلاکت پیدا کرتے نظر آتے ہیں لیکن یہ راستہ اس گلریز اور گل پوش وادی پر ختم ہوتا ہے جسے جنت کہتے ہیں ۔ جس پر نیکوں نے جائز طور پر تعریف کے پل باندھ رکھے ہیں ۔ میں جانتا ہوں کہ جنت کی گھاٹی سخت اور راستہ مشکل ہے مگر خوبصورت سانپوں

سے کھیلنے کا مشورہ کون دے ؟ گناہ کی دلفریب اور دلآویز راہوں پر جاکر دوزخ میں اچانک جاگرنے سے منع کیوں نہ کیا جائے !

ہر گنہگار جانتا ہے۔ میرے عمل کی انتہا جہنم ہے۔ لیکن قدم قدم پر کشش۔ ہر طرف دل افروز نظارے انسان کو ادھر کھینچے لئے جارہے ہیں۔ لیکن نماز وہ مقامِ بلند ہے جس سے نفس خود حقیقت کی راہ دیکھنے لگتا ہے۔ گناہ کے راستوں سے اس کی رغبت کم ہو جاتی ہے اور نیکی کی کشش بڑھ جاتی ہے وہ روشیں جو پہلے بھیانک معلوم ہوتی تھیں اب پرُ فضا معلوم ہوتی ہیں اور گناہ کی راہیں جو پرُ فضا معلوم ہوتی تھیں وہاں اب سانپ بچھوؤں سے کھیلنے نظر آتے ہیں۔ نماز دین کا وہ نقشہ ہے جس کے مطابق نیکی کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے۔ معمار اس نقشہ کو پیش نظر رکھے کیونکہ اس پر ساری عمارت کا دار ومدار ہے۔ اس نقشے کو خدا کی منشا کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیار کیا۔ بخدا اس کے مطابق جو محل تیار ہوگا وہ پختہ اور پائیدار ہوگا۔

ذات پات کی تمیز مٹا دینے والے اسلامی سوسائٹی میں دولت کی اُونچ نیچ کو فنا کر دینے والے پیارے پیغمبر کا جب وہ وقت آگیا۔ جب اپنے آقا کے حکموں کی تعمیل کرنے کے بعد اُس کی دائمی خوشنودی کا انعام پانے جارہے تھے۔ تو حضورؐ نے حجرے سے جھانک کر صحابہ کو قطار اندر قطار مصروف نماز پاکر اظہار اطمینان فرمایا۔

نماز گناہوں کی اس آگ کو جو دھیرے دھیرے دل کو جلانے کا گن رکھتی ہے۔ چپکے چپکے اس پر پانی ڈال کر آہستہ آہستہ بجھا دیتی ہے۔ عمل اور ردّ عمل سے

انسان خود بھی آگاہ نہیں ہوتا۔ مگر دل بُرائیوں سے بچ نکلتا ہے۔ آؤ عزیزو! نماز پڑھیں کیونکہ دوزخ کی آگ سے بچنے کا ایک ڈھنگ ہے۔ دین کے داناؤں نے کہا ہے کہ جوانی دم بدم بھڑکنے والی جوالا مکھی ہے۔ یہ آتشگیر بلا زندہ بم کی طرح ٹھنڈے پانی میں رہے تو بچاؤ ہے ورنہ دردناک ہلاکت ہے۔ نماز دل میں اطمینان کی ٹھنڈک پیدا کرتی ہے جس سے جوانی کا جوش فرو ہوتا ہے آگ پر پانی کے عمل کو تو بے سمجھ بچہ بھی جانتا ہے۔ قولی عبادت بھی دل کی ٹھنڈک ہے مگر نماز محض قولی عبادت نہیں بلکہ عبادتِ فعلی ہے! ور جوانی کی آگ جمع کرنے کی وہ تدبیر ہے جس سے انسان دنیا کی گاڑی کھینچنے کے قابل ہو جاتا ہے ہر عبادت کی جان خدا کا ذکر ہے۔ اللہ سے لگاؤ نماز کا مرکزی نقطہ ہے۔

بعض قوموں نے شہنشاہ کی وفاداری کو اپنے عمل کا محرک بنا رکھا ہے۔ شاہ پسند قوموں میں بچوں کی تعلیم کا جزوِ اعظم شہنشاہ کی محبت ہے۔

بعضوں نے ملک کی محبت کو زندگی کا مقصد بنالیا ہے اور اپنے نیک خیالات اور حسنِ عمل کو صرف جغرافیائی حدود میں محدود کر دیا ہے۔

بعض اپنی نسلی فوقیت اور خاندانی روایات کے پجاری ہیں اور ان کے گھروں میں اسی کے چرچے ہیں۔ اپنے خاندان اور نسل کی بزرگی بیان کرنا ان اوڑھنا بچھونا ہے۔

لیکن سچا مسلمان شیطان کے ان برپا کردہ فتنوں سے پناہ مانگتا ہے اور اپنی عقیدت اپنے پروردگار کے لئے مخصوص رکھتا ہے۔ بادشاہوں کو عوام کے حقوق کا دشمن، ملک کو مٹی کا ڈھیر، نسل اور خاندان کو بیہودہ وہم سمجھ کر مخلوق کی خدمت بہترین عبادت اور وجہ امتیاز جانتا ہے اور جوں جوں خدا کے قریب ہوتا جاتا ہے توں توں خلق اللہ کی عبادت پر اور مستعد رہتا ہے۔ نماز اللہ سے تعلق کو استوار

کرتے اور اس کے نام کی برکت سے اپنی زندگی کو فیض کا چشمہ بنانے کی تدبیر ہے۔
حُبِّ وطن کے جذبے کی پرورش کے لئے فوجیں دن کا چین اور رات کی نیند حرام کر لیتی ہیں تو مسلمان اگر پانچ وقت عبودیت کے جذبے کو دل وجان میں پرورش کرنے کے لئے نماز کا سامان کرتا ہے تو آوارہ طبیعت لوگ کہانیاں کیوں بناتے ہیں۔ دنیاوی سلطنت کا سپاہی ملک کے عشق میں مرمٹنے کے لئے کوئی دن قواعد پریڈ کئے بغیر نہیں رہتا۔ پھر خدا کی فوج کے سپاہی یعنی مسلمان خدا کی محبت کو سینے میں پرورش کرنے اور جماعتی یگانگت قائم رکھنے کے لئے پانچ وقت یکجا ہوں تو دل افسانے کیوں تراشتا ہے!

ملک قوم اور شہنشاہ کی بنا پر لوگ اپنے اور لوگوں کے اعمال کا جائزہ لیتے ہیں، ہمارے پاس بھی اللہ کی محبت کی کسوٹی ہے، ہم دوست اور دشمن کے عمل کو اسی پر پرکھتے ہیں۔ جو غیر اللہ کی محبت کے لئے عمل ہے وہ کھوٹا ہے۔ جس فعل سے اس کا نام بلند ہو صرف وہی کھرا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ ہم رات دن اسی کا نام لے کر دل کے ویرانے کو گلزار بنائیں۔ مگر کیا کریں۔ اپنی مخلوق کی خدمت کے فرائض بھی اس نے لگا رکھے ہیں۔ ناچار نمازوں کو ختم کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دنیا کے دھندوں میں لگنا پڑتا ہے۔ اس کا نام اور اس کا کام دونوں ہی دین ہیں۔ بے دینی وہ کام ہے جو صرف غیر اللہ کو خوش کرنے یا باطنی نفس کو مطمئن کرنے کے لئے کیا جائے۔

اپنی قوم، اپنے ملک، اپنے شہنشاہ کے نام پر خدا کی پر امن مخلوق کے اطمینان کو لوٹ لینا قوموں کو شہنشاہیت کا غلام بنانا۔ اوروں کو فاقے کے عذاب میں مبتلا

چھوڑ کر ان کی دولت کو اپنے بچوں کی آسائش کے لئے کام میں لانا بعضوں کے نزدیک عین انصاف ہے۔ لیکن مسلمان کے لئے کسی قوم کے ساتھ دشمنی کے باعث ذرا سی بے انصافی اسے خدا کی خوشنودی کی جنت سے محروم کر دینے کے لئے کافی ہے۔

اے مسلمان! تو دنیا میں اپنی ذمہ داریاں سمجھ۔ جب دل میں کوئی کمزوری آئے۔ تو پھر اسی سرکار کی طرف لوٹ جا اور سجدوں میں پڑ کر اُس سے برکت اور توفیق مانگ۔ اس کی یاد کو دل میں زندہ رکھنے اور نیک کاموں کی توفیق چاہنے کا نام نماز ہے۔ نماز کے بغیر شیطان خدا کی یاد بھلا دیتا ہے اور اپنے آرام کے لئے مخلوقِ خدا کا امن لوٹ لینے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ پس نماز دل کو ایک مرکزی نقطے پر قائم کرنا چاہتی ہے۔ یعنی سارے رشتے ناطوں۔ نفع اور نقصان سے بے نیاز کر کے خدا سے تعلق بڑھانے کا سبب بنتی ہے۔ ہر مرحلے پر اس کی عظمت کا اقرار ہے۔ لوٹا لوٹا کر دہرا دہرا کر ربّ العزت کی بڑائی کا بیان ہے۔

اے مشرق و مغرب کے خدا! تیرے بغیر ہے بھی کون۔ جس کے حضور میں نیاز مندیوں کا تحفہ پیش کیا جائے۔ اے کام و دہان کی سینکڑوں لذتوں کے داتا! اے دل کی ہزار کیفیتوں کے پروردگار! دنیا کے پرمیشور! تیرے سوا کون ہے جو بندگی کے لائق اور پوجا کے قابل ہو۔ تیری ہی تعریف کے نذرانوں کے سوا بھلا تیری قبولیت کے قابل ہمارے پاس کیا چیز ہے!

میرا مال، اولاد اور جان حاضر ہیں۔ وہ تو تیرے حکم پر قربان کرنے کے لئے حاضر ہوں مگر تیرے نام کی سفارش کے بغیر یہ حقیر چیزیں تیرے حضور میں کیسے پیش کروں۔ یہ تیری داد ہیں۔ اے داتا! تیرے دان کو لوٹا دینا بھی کوئی بڑی

شکرگذاری نہیں۔ یہ تو سب تیری ہی چیزیں ہیں۔ تیری یاد تیری تعریف، تیری بڑائی کے سامنے میں ان کو پیش کرتا ہوں!!

میرے مال اور میری جان کے لئے تیرے تقاضے صرف میری محبت کی آزمائش کے واسطے ہیں۔ ورنہ میں جانتا ہوں تو مجھے ہزار گنا زیادہ انعامات دینے کے لئے بہانے تلاش کر رہا ہے۔ جس نے جو قربان کیا۔ اس سے بڑھ کر پایا اور اتنا پایا کہ خوشی سے دل شگفتہ اور گل و گلزار ہو گیا اور وہ اطمینان کی جنت میں باغ باغ نظر آیا:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ

وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ

وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ط

سُبۡحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمۡدِكَ

(الٰہی تیری پاکی اور تیری تعریف کے ساتھ تجھے یاد کرتا ہوں)

اس بات پر غور کرتے عمر گذری تھی کہ صبح وشام دو وقتوں کے ملاپ پر چڑیاں پتوّں کی اوٹ میں چہچہاتی ہیں۔ دل کے کانوں سے سنا کہ وفت کی رنگینی سے سرشار ہو کر میری طرح کیفیتوں میں کھو کر بے ساختہ سُبۡحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمۡدِكَ پکار اٹھتی ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ سب ہی چرند و پرند پروردگار کے حضور میں یوں حمد وثنا کے تحفے پیش کرتے ہیں۔

شیطان نے کہا۔ یہ شاعرانہ مبالغے ہیں اور علم وعقل میں پھوٹی کوڑی سے بھی کم قیمت رکھتے ہیں۔ اس دنیائے محسوس میں خدائے نادیدہ کو پوجنے کا زمانہ گیا۔ عقل کے پیچھے لٹھ لئے نہ پھرو!

پہلے تو میں بے یقینی سے لَا کے مقام پر پہنچ گیا۔ پھر میرے سامنے ابر رحمت کا بادل جھوم کے اٹھا۔ گھر کر آیا۔ جی بھر کر برسا۔ سفید وشفاف موتیوں کی لڑیاں اس خوب صورتی سے باغیچے کے گل بوٹوں پر گریں کہ پھول پتیاں منہ دھوئے بچوّں کی طرح نہا کر نکھر کر مسکرانے لگیں۔ آن کی آن میں چھاجوں مینہ برسا۔ زمین نے چاندنی کی ردا اوڑھ لی۔ چلتے پھرتے پانی میں گرتی پڑتی بوندوں نے کسی نورانی مخلوق کے لئے ہر طرف حباب کے بلوریں خیمے گاڑ دیئے۔ ابر محیط نے پل بھر میں ندی نالے

بہا دیئے۔ میرے کفر کی سیاہی دُھل گئی۔ دل نے کہا کیا اس بارانِ رحمت کا پروردگار کوئی نہیں؟ جس نے دیکھتے دیکھتے دنیا کے جہنم کو جنت کا گوشہ بنا دیا۔ زبان بے ساختہ پکار اُٹھی: سُبحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمدِکَ

آج باغوں میں جھولے پڑیں گے۔ محبت کی پینگیں بڑھائی جائیں گی۔ پاک صورت اور نیک سیرت دیہاتی لڑکیاں معصوم محبّت بھرے گیت گائیں گی۔ کونسی رہگذر ہے جس کے سینے میں اُن کے مد بھرے گیتوں کو سُن کر ہوک نہ اٹھے۔ ابر کے سائے میں آموں کی ڈالی پر بیٹھی کوئل کیسی میٹھی بانی بولتی ہے۔ ساری دنیا پر کیف و سرور سا چھا جاتا ہے۔ کیا ان دل کی دنیا میں ہل چل مچا دینے والی سُروں اور آوازوں کا پروردگار کوئی نہیں ؟

انسان پر جوانی میں جو جوبن چھا جاتا ہے۔ بہار میں پھولوں پر جو رنگ آجاتا ہے اس کو کسی نے دیکھا؟ بھینی بھینی خوشبوؤں کو جو بادِ بہاری کے کندھے پر اُڑی اُڑی پھرتی ہیں۔ کسی نے سونگھا؟ کیا رنگ و بُو کی یہ دنیا جو ہزاروں جلوؤں کی جنت گاہ ہے۔ کسی مصوّر کی سحر کار انگلیوں کی طرف اِشارہ نہیں کرتی؟ پہاڑوں کو سبزہ نے پری بنا کر سامنے کھڑا کر دیا۔ دریاؤں کی چاندی کی دھاریں ان کے دامن میں بل پیچ کھاتی میدانوں میں نکل جاتی ہیں۔ سنہری پروں والے طائر اِدھر اُدھر اُڑتے پھرتے ہیں۔ کچھ سبز پتوں کی چلمن کے پیچھے بیٹھے سامنے پھیلے ہوئے نظاروں کو دیکھ کر باغ باغ ہو رہے ہیں۔ اے ان حسین نظاروں کے شیدا! سوچ کر بتا کہ ان کا پروردگار کوئی نہیں ؟

کبھی بحرِ بیکراں کو طوفان خیز موجوں کے بلاخیز تیور ڈالے دیکھا؟ کیا اس

کے اندر وسیع دنیا کا تصور کیا؟ رواں دواں دریاؤں کو ملاحظہ کیا؟ آہستہ خرام ندیوں کی مستانہ چال پر نگاہ کی؟ شفاف چشموں میں مست خرام لہروں کو ناچتے دیکھا؟ کیا ان مظاہرات جمال و جلال کا پروردگار کوئی نہیں ؟

انار کے خوش رنگ پھول ہی کو نہ دیکھو بلکہ دانۂ انار کو دیکھو۔ سرخ خوشگوار پانی کا کیا رنگین چشمہ ہے! نارنگی کے نظر افروز حسن ہی کو نہ دیکھو بلکہ اس پر غور کرو کہ اس کے اندر میٹھے سوندھے پانی کی بڑی بڑی جاں بخش نہریں جاری ہیں۔ پھر ہر بڑی نہر کے آغوش میں سینکڑوں چھوٹی چھوٹی ندیاں سو رہی ہیں ۔

برسات میں سبز پتوں میں سیندوری سنہری آموں کو لٹکتے ہی نہ دیکھو کہ دودھ اور شہد کو قدرت نے کس انداز سے ملا کر میٹھا پکوان بنایا کہ حلاوت اور شیرینی کا مزہ پا کر زبان نے جنت کی خوشی محسوس کی۔ دل و دماغ کوثر و تسنیم کی لذتوں کا ہلکا سا تصور دنیا ہی میں کر لیتے ہیں ۔

اے اربابِ دانش! سوچو کہ کیا خوشگوار پھلوں کی حلاوت کا پروردگار کوئی نہیں ؟

محبوب بیوی کی محبت اور ماں کی مامتا پر کبھی غور کیا؟ رس اور رنگینی میں اس سے زیادہ کون سی چیز ہے۔ بچے ذرا نظر سے اوجھل ہو جائیں۔ دنیا اندھیر ہو جاتی ہے۔ ذرا مسکرا دیں تو کائنات متبسم نظر آتی ہے۔ دردِ سر کی شکایت کریں تو جہان جگر میں آتا دکھائی دیتا ہے۔ پاکدامن بیوی ساری دنیا کے سو جانے پر پردیسی پیا کی یاد میں چپکے چپکے روتی ہے۔ دن بھر اداسیوں

میں انگڑائیاں لیتی ہے مگر یہ بیقراریاں اور آہ وزاریاں بھی دلفریب ہیں۔ محبّت تاروں کی خوشی اور پھولوں کی ہنسی ہے۔ محبّت کے بغیر زندگی ساز بے آواز ہے۔ لیکن کسی نے سوچا کہ ان پاک جذبات کا پروردگار کون ہے؟ جو سوچے گا اور جب سوچے گا۔ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ پکار اٹھے گا۔

وَتَبَارَكَ اسْمُكَ

(برکت والا ہے نام تیرا)

عقل علم سے معنی پوچھتی ہے۔ یہ نام میں برکت کیا چیز ہے؟ جس نے کبھی محبت نہیں کی وہ نہیں جانتا کہ محبوب کے ذکر و فکر میں کیا برکت ہے۔ اس سرور و سرمستی کو کوئی واقفِ سرِ محبت ہی جانے تو جانے!

اے عزیز۔ ذکرِ الٰہی میں ایک بابرکت گھڑی ایسی آجاتی ہے جب کھڑے کھڑے دل و ایمان و یقین کی روح پرور ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔ پل بھر میں معلوم ہوتا ہے کہ زندگانی کا بنجر گلزار پُر بہار ہو گیا۔ گمان گزرتا ہے کہ وہ جو نیکوں نے دیکھا۔ مجھے دکھایا جانے والا ہے۔

پریم اور پیار کے کتنے میٹھے گیت ان معصوم اور پاکدامن دیہاتی دوشیزاؤں سے سنے جو برسات کے خوشگوار موسم میں جھولے میں بیٹھ کر باپ اور بھائی کی تعریف میں گاتی ہیں۔

عشق و محبت کے کتنے رنگین راگ سُنے۔ جب ساز اور آواز نے مل کر دل میں دھوم مچا دی تھی۔ خوش رنگ پھولوں کو سبز پتوں کی اوٹ میں مسکراتے پایا۔ بُلبل کو گل کی ہم نشین دیکھا۔ روپ کی دنیا میں رنگ برسانے کی ہزار کیفیتیں نظر سے گذریں۔ چشم و گوش سے الگ الگ ایسے نظارے اور زمزمے خود دل کو جنتِ نگاہ اور فردوسِ گوش بنانے کے لئے کافی تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ آج تو دنیا کے سارے حسین مناظر اور مدبھرے سُر جمع ہو کر دل کے ویرانے کو رشکِ جناں بنا رہے ہیں۔

راگ رنگ کی اس دنیا میں روحانی کیف و سرور کو بیان کرنے کا یہی محدود طریقہ انسانی سمجھ میں آتا ہے۔

آم کی حلاوت کو کوئی لفظوں میں کیونکر بیان کرے۔ محبوب کی محبت کے سرور کو ناآشنا سے کوئی کیا کہے کہ ایسا ہوتا ہے، کوئی کسی کو کیسے سمجھائے کہ پیاروں کے پیار کے مقابلے میں بہشت کی رنگینیاں پھیکی معلوم ہوتی ہیں۔ عاشق پاک باز یوں سمجھے کہ اچانک کسی بے نیاز کی بارگاہِ ناز سے راز و نیاز کا کوئی جانفزا پیغام آگیا ہو اور کوئی دیدار کی مسرتوں اور ہم نشینی کی لذتوں میں کھویا کھویا پھرتا ہو۔ کیا کیا جائے روحانی خوشی کی انتہا کا کامیاب محبت ہی قریبی تخیّل ہے۔

قیاس کہتا ہے کہ حافظ نے جس شراب کے گیت فارسی میں گائے انسان اس سے کہیں لطیف شراب کے سرور میں سرشار ہو جاتا ہے۔ ابر کے سائے، بہتے پانی اور پھولوں کی سیر کا لطف حاصل ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے ہزار حسین نظارے بھی اس کی کیفیت قلب کی پوری آئینہ داری نہیں کرتے۔ دل اس سے کہیں پاکیزہ، اس سے کہیں بہتر کیفیتوں کا حامل ہوتا ہے۔ یوں سمجھو کہ رنگین بہار کے خوشگوار موسم میں۔ کشمیر کی جنت نگاہ وادی میں ڈل کے دھارے کے ساتھ ساتھ بہنے والے پھولوں کے تختوں کے درمیان ایک خوبصورت بجرے پر بیٹھا ہوں۔ دھیری دھیری لہروں میں رنگین بجرہ ہلکے ہلکے ہچکولے کھاتا جا رہا ہے اور میں فطرت کے سہاگ کو کنکھیوں سے دیکھ رہا ہوں۔

رنگ و مستی کی یہ بہار کئی کئی دن دل و دماغ پر چھائی رہتی ہے۔

نفس کا دھوکا

نفس بعض اوقات دھوکا دینا شروع کرتا ہے کہ یہ تو خدا کی خوشنودی کا اہم اظہار اور اس کی طرف سے سلامتی کا وہ پیغام ہے جو باغ بہشت کے خوش نصیب وارثوں کے لئے مخصوص ہے۔ اب کیا ہوتا ہے۔ اطمینان کی جنت میں غرور کے سانپ رینگنے لگتے ہیں اور وہ نو دولت شخص کی طرح ہر آدمی کو کم درجہ سمجھنے لگتا ہے۔ آخر زندگی کے راستے میں ٹھوکریں کھاتے کھاتے پھر اُن راہوں پر پڑ جاتا ہے جو روحانی صحرا میں جاکر ختم ہو جاتی ہیں۔ بے یقینی اور شک پھر دل کی بستی برباد کر دیتے ہیں۔ گل بوٹوں کی جگہ خاک اڑنے لگتی ہے۔ عقل ہر چند ہاتھ پاؤں مارتی ہے۔ لیکن غرور و گناہ نے ایمان کی جو جنت لوٹ لی ہوتی ہے انسان اس کو دیر تک آباد نہیں کر سکتا۔

حسنِ عمل کی ناؤ جب تک عمر کے کنارے نہ آ لگے۔ ڈرنا چاہیئے۔ اکثر سفینے کنارے کے قریب پہنچ کر ڈوب جاتے ہیں۔ زندگی میں عمل پر اترانا اپنی سلامتی سے غافل ہو جانا ہے۔ بُرے انجام سے بچنا ہی بڑی دانائی ہے۔

ایسے حال میں کثرت سے استغفار ہی اس کا علاج ہے ورنہ خدا سے انکار تک نوبت پہنچتی ہے۔ عقل ہزار علم کو سنبھالے اور قدرت کے مظاہرات کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ فطرت کی یہ گوناگونیاں اور بوقلمونیاں کسی رنگ رنگیلے محبوب کا پرتو جمال ہی تو ہیں۔ لیکن غرورِ نفس محبت کے ہنگامے خاموش کر دیتا ہے اور عمل کی اُمنگیں سرد کرتا ہے۔ دل قبرستان کی طرح سنسان اور ویران ہو جاتا ہے۔ غرور عبادت میں میں سمجھا کہ اس نے مجھے گلے لگا لیا لیکن در حقیقت غافل اور مغرور ہو گیا۔ جب مجھے نا اہل پایا تو وہ

روٹھ گیا۔ اس کا منہ پھرنا تھا کہ فرشتوں نے جھپٹ کر اطمینان کے حلے اتار لیے اور شادمانی کی جنت سے نشیب میں لڑھا دیا۔ بے اطمینان اور اداس آنکھوں میں لذتِ دید نہیں چھوڑی۔ وہی دلچسپ اور رنگین دنیا ماتم کدہ نظر آتی ہے۔ فطرت کا سہاگ بیوہ کی اجڑی مانگ بن جاتا ہے۔ ایسے تشویش ناک ایام ہیں:۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ط

ہر وقت زبان پر جاری رہنا چاہیئے اور جان کو مخلوق خدا کی خدمت کے لئے مشکلات میں ڈالنا چاہیئے۔ کبھی پھر اچانک فضلِ ربی ہوتا ہے۔ سازِ جسم کے سارے تار جھن سے ہو جاتے ہیں۔ خیال آتا ہے کہ انسان خدا کا کیسا ناشکرا ہے۔ پاکیزہ زندگی کو کیسے خاک میں ملاتا ہے۔ لعل لٹا کر کوڑیوں پر مہر لگاتا ہے۔ نیکی برباد کر کے گناہ خریدتا ہے۔ غرض عبرت کی یہ گھڑی عبادت وعمل کی لمبی عمر کے برابر ہو جاتی ہے، پھر محسوس ہوتا ہے کہ رحمت کی پھوار پڑ رہی ہے اور میں سبزہ وگل کی سیر میں مصروف ہوں۔ اب کے وہ ولولے نہیں ہوتے۔ خدا سے تعلق یوں رہ جاتا ہے جیسے چند برس کی پُرجوشی کے بعد میاں بیوی کی اُلفت میں اعتدال آجاتا ہے اور گھر کا کاروبار خوش اسلوبی سے چلنے لگتا ہے۔ شوق کی پہلی سی فراوانی نہیں رہتی۔ دل کے دریا میں امنگوں کا خروش نہیں ہوتا۔ مگر زندگی کی پُرسکون سطح لطفِ نظارہ کو دوبالا کرتی ہے۔ غرض پھر خوب بسر ہونے لگتی ہے۔ حقوق حق تعالیٰ اور حق العباد کا توازن برابر رہتا ہے۔ عمل وعبادت کی کشتی عمر کی پُرسکون سطح پر بغیر ہچکولے کھاتے چلی جاتی ہے۔

دُوسرا کھٹکا

شیطان آ کر بہکا دیتا ہے کہ حاصلِ زندگی عمل ہے عبادت نہیں۔ حق العباد کے مقابلے میں حق اللہ کی شرعی حیثیت بہت کم ہے۔ انسان ناکارہ سمجھتا ہے کہ نمازیں بےکار اور مخلوقِ خدا کی خدمت انمول چیز ہے۔ عقل بھی تائید کرتی ہے کہ بے نیاز کی نیازمندیوں میں لگے رہنے سے اس کی شان اور جلال میں اضافہ تو نہیں ہو سکتا۔ یہ وقت بھی خدمتِ خلق میں بسر ہو تو سونے پر سہاگہ ہو جاتے۔ چنانچہ آدمی خالق سے بے نیاز ہو کر مخلوق کی خدمت میں لگ جاتا ہے۔ نمازوں سے غافل ہوتا ہے۔

اوّل اوّل تو خدمت اور قربانی کا جذبہ بڑھتا رہتا ہے اور وہ زندگی کے اس مصرف پر مطمئن نظر آتا ہے لیکن دھیرے دھیرے حسنِ عمل سے دل گھبرا اٹھتا ہے۔ طبیعت اُچاٹ سی رہنے لگتی ہے۔ کم شوق بچے کی طرح جو حصولِ علم سے جان چراتا ہے۔ انسان مخلوقِ خدا کے کام سے جی چرانا شروع کرتا ہے۔ آہستہ آہستہ گناہوں کا بھوت پھر دل میں جگہ بنانے لگتا ہے۔ نہ خدا کا خیال نہ مخلوق کی خدمت کا جذبہ باقی رہ جاتا ہے۔ دماغ شخصی بھلائی کی باتیں سوچنا شروع کر دیتا ہے۔ عقل خود غرضی کی راہ دکھانے لگتی ہے۔ زندگی کی دلچسپیاں بڑھ جاتی ہیں۔ موت سے ڈر آنا شروع ہو جاتا ہے۔ پہلے تو جب بھی سفر کرتا تھا اور ریل خوب صورت مکانوں اور سبز کھیتوں کے قریب سے پیچ و خم کھاتی گذرتی تھی تو دل کہتا تھا کہ یہ سب تیرے ہیں۔ کیونکہ تو سب کا ہے۔ اب دل تنگ ہو گیا۔ اور نظر میں وسعت نہ رہی۔ سوچتا ہے کہ میرا گھر نہ گھاٹ نہ کوئی جگہ نہ ٹھکانہ، میری کوئی خدمت نہیں کرتا۔ مجھی پر یہ سودا کیوں سوار ہے۔ مجھے دوسروں سے زیادہ

آرام کے سامان مہیا ہونے چاہئیں۔ کیونکہ مجھ میں علم و عمل کی قوتیں زیادہ ہیں۔ بے وقوفوں کی خدمت کے لئے عقلمند کیوں لگے رہیں! غرض خدا کو اس طرح چھوڑا۔ مخلوق کی خدمت سے یوں جی بھر گیا۔ اب سوکھی لکڑی کی طرح آدمی دوزخ کے ایندھن کے قابل رہ گیا"

تنبیہہ

شیطان کے دھوکے سے اللہ پناہ دے۔ اس کی آواز محبت کے گیت کی طرح میٹھی اور سوز سے بھری ہوتی ہے۔ پتھر دل پگھل جاتا ہے اور انسان اس کے ہاتھ میں موم کی ناک ہو جاتا ہے۔ وہ زندگی کی بہشت میں خوبصورت سانپ کی طرح ابن آدم کا امن برباد کرنے کے لئے آتا ہے اور دوست بن کر خدا کا باغی بناتا ہے۔ ہر بھلے کام کی ابتدا کرنے کے لئے شیطان کے فتنوں سے خدا کی پناہ مانگو۔ نئے سے نئے بہروپ بنا کر آتا ہے۔ مومنانہ فراست سے اس کو دیکھو۔ عقل قیافہ داں سے اس کو پہچانو! شیطان انسان کا بہت بڑا دشمن ہے۔ وہ دماغ کے پردوں اور دل کے گوشوں میں چھپا رہتا ہے۔ نفس و شیطان پر قابو پانے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ بندہ کامل طور سے اپنے آپ کو غالب خدا کے حوالہ کر دے۔ ہر عمل سے پہلے قدرت اور طاقت والے اللہ کے دامن میں عافیت ڈھونڈے ورنہ ہمیشہ دل میں نیکی اور بھلائی کو برباد کرنے والے خیالات ہجوم کر کے اٹھیں گے اور عمل کی دنیا خاک سیاہ ہو جائے گی۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ط

غرض انسان جب اپنا یہ حال پاتا ہے تو دل بے حد گھبراتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کس دکھیا کا دل دکھا بیٹھا کہ اس نوبت کو پہنچا، کس دردمند کی دلدوز بن جاؤں کہ روٹھا

یا من جائے!

کبھی تاریخ کہتی ہے۔ سبکتگین نے ہرنی پر ترس کھایا۔ خدا کے رحم کا جوش امنڈ آیا۔ تو بھی کسی ناتواں پر ترس کھا اور محبوب کا محبوب بن جا۔ بہت خاک چھانی مگر گوہرِ مقصود نہ ملا۔ جو اپنی بدتمیزی سے ہر روز اپنے پیارے کو ناراض کرلے، تو جب وہ منہ پھیرے تو یہ روئے کیوں؟

ملامت کرنے والو! یہ بتاؤ کہ وہ کرے کیا؟ جب اس کے دروازے کے سوا کوئی اور در نہ دیکھا تو ناچار اسی کے آستانے پر سر رکھ دیا۔ کہ مانو! نہیں تو مرتا ہوں۔ یعنی اس کو خوش کرنے کے لیے غریبوں اور کمزوروں کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔

جابر امرا۔ کے تھنے لوٹا دیتے جاتے ہیں۔ مغروروں کے سولہ سنگار اسے قبول نہیں۔ کیچڑ بھرے نیم بھیکاریوں کو گلے لگا لیا جاتا ہے۔ ڈھنگ لڑ جانے کی بات ہے، سو میرا ڈھنگ لڑ گیا۔ میری دھکی اپیل سمجھ کر قبول کر لی گئی۔ جب کوئی سچے دل سے رونمائی کے لئے جان لے کر حاضر ہوتا ہے نورِ رُخ سے پردۂ انور کھل جاتا ہے۔ باغ میں پھر بہار آتی ہے۔ قلب پھر نور اور دماغ سرور سے بھر جاتا ہے۔

اب ہر وقت سربسجدہ رہنے لگا۔ عجب حال ہوتا ہے کہ دل مسرتوں سے رنگین گلزار ہے لیکن آنکھیں ساون کی طرح آنسوؤں کا مینہ برساتی ہیں۔ دل کی کیفیتوں کو کوئی خود کیا سمجھے۔ کسی کو کوئی کیا بتاتے۔ اب وہ ہر وقت ذکرِ الٰہی میں رہنا چاہتا ہے۔ کثرتِ عبادت زندگی میں عاشقانہ سوز و گداز پیدا کردیتی

ہے۔ قلب پر رقت طاری رہتی ہے۔ عبادت بھی نشہ ہے۔ لیکن لطیف! اب مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ جوگی اس رنگ رنگیلی دنیا کو چھوڑ کر جنگل کی تنہائیوں اور پربت کی بلندیوں کو کیوں چلا جاتا ہے۔"

تیسرا کھٹکا

ایک عبادت خدمتِ خلق سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ کوئی جیتے یا مرے عبادت گذار کو عبادت سے کام۔ عشق کا آسرا لے کر کارِ دنیا سے سروکار کون رکھے۔ بول چال، نقل و حرکت گراں ہو جاتی ہے۔ پہلے تو مسلمانوں کے عالمگیر تنزل کو دیکھ کر آتش زیرپا رہتا تھا۔ قیصر سے پنجہ لینے اور انقلابِ حال کے لئے جان دینے کو مستعد تھا۔ مگر اب اجتماعی زندگی میں مسلمان کی سربلندی کی ساری تدبیریں بے کار نظر آنے لگیں۔

غنا یعنی رنگین راگ سے جس طرح دماغ میں سرور سا پیدا ہو کر قوائے عمل مضمحل سے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح کی ملتی جلتی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ خدا پرستی کے ڈانڈے رہبانیت سے جا ملتے ہیں۔ اب انسان یہ سوچتا ہے کہ راگ اور رہبانیت کی نفی کر کے اسلام نے انسان کا کیا بھلا سوچا۔ محبت اور عشق کی رنگین راہوں سے ہٹا کر روحِ انسانی کو بن کی سوکھی لکڑی بنا دیا۔ مسجد سے زیادہ خانقاہوں کی کشش بڑھ جاتی ہے۔ ساز و سرود اور حال مزاج کے ٹھیک موافق آتے ہیں۔ سجدوں کی جگہ وجد لے لیتا ہے۔ شریعت طریقت کے جلو میں چلنے لگتی ہے۔ آدمی دل میں کہتا ہے کہ مسجد کے ملاّ نے اسلام کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ کم بخت

مدت سے مسلمان کے گلے پڑا ہے نہ مرتا ہے نہ جگہ خالی کرتا ہے۔ اس نے مذہب کو بے سُر تال بنا رکھا ہے۔ جس قوم میں مزامیر حرام اور قوالی منع ہے۔ زندگی کی مسرتوں میں اس کا حصّہ ہی کیا ہے! غرض شریعت سے پھسل کر رہبانیت کی طرف آیا۔ وہاں سے لڑھک کر قوالوں کی جھولی میں پڑا۔ اس کوچے سے آوارگی کی راہیں کتنی قریب ہیں! راگ اور رنگ کو رنگ رلیوں سے کتنی مناسبت ہے۔ ایک سیڑھی سے پھسلا تو پھسلتا ہی چلا گیا۔ اوپر سے چلا۔ پھر نیچے آرہا۔ گناہوں کے نشیب سے روحانی رفعتوں کو پھر حیرت سے دیکھنے لگا۔

غرض کثرت سے قولی عبادت سرور ضرور پیدا کرتی ہے لیکن عمل کے قوا کمزور ہو جانے کے علاوہ انسان اجتماعیت سے غافل ہو کر انفرادیت کا بندہ بن جاتا ہے، وہ نشے سے سرشار رہتا ہے۔ اپنی تنہا خوشی کی جنت آباد رکھنا چاہتا ہے۔ اس کی کیفیت اس شریر امیر کی سی ہو جاتی ہے جسے اپنی مسرتوں سے کام ہے۔ غریبوں کی آہیں اور دردمندوں کے نالے اس پر اثر نہیں کرتے۔ رنگین مشاغل اس کی آنکھیں بند رکھتے ہیں۔ وہ کسی کی تباہ حالی کو نہیں دیکھتا۔ ہمسائے میں بچّے سردیوں میں تن پر کپڑے کے بغیر پڑے ٹھٹھرتے ہیں لیکن وہ اپنے ٹھاٹھ کے لحافوں میں مگن ہوتا ہے۔ غریب کی تن پوشی کا سامان ہو نہ ہو مگر اس کی دیواروں پر پردے لٹکنے چاہئیں اور اس کے گھر کا فرش رنگ برنگ کے قالینوں سے مزین ہونا چاہیئے، قوم رہے یا نہ رہے وہ اپنی جان کو جوکھوں میں نہ ڈالے گا۔

اسی طرح قولی عبادت کی کثرت آنکھیں اور کان بند کر کے دل کے دروازوں سے سکون حاصل کرنا چاہتی ہے۔ قومی خطرہ دروازہ آکھٹکھٹاتا ہے۔ بچّے یتیم

اور عورتیں بیوہ ہونے لگتی ہیں۔ یہ یادِ خدا سے فارغ نہیں۔ خطرے کے مقابلے کی تیاری اسباب کی فراہمی تو دُور کی کوڑی لانا ہے۔ وہ قومی تباہیوں کی طرف جھانک کر بھی نہیں دیکھتا۔ مبادا اس کی یکسوئی میں فرق آجائے! اسلام کے دین میں وہ دولت اور یہ عبادت خوشنما دھوکہ ہیں۔ دونوں انفرادی خوشی کا شیطانی کھلونا ہیں۔

اے عزیز! ایسی عبادتیں جو حق العباد سے غافل کر دیں۔ خواہ کیسی ہی سرور انگیز اور تسلی بخش کیوں نہ ہوں نفس کا دھوکہ ہیں۔

طبیعت کے مبالغوں کو قربِ الٰہی نہ سمجھو۔ وہ تفریح۔ وہ دولت اور وہ حکومت جو نشہ بن کر دماغ پر چھاتے۔ جس سے غفلت غرور اور بے انصافی پیدا ہو۔ دوزخ کی راہ دکھانے والی بدمعاشیاں ہیں۔ اِن سے بچو۔ ان خوشیوں کی انتہا غم ہے۔

بارش رحمت ہے مگر اس کی کثرت مصیبت اور تباہی ہے۔ خدا کا نام بابرکت ہے۔ مگر ہر وقت تولی عبادت میں بسر کرنا رہبانیت ہے۔ رہبانیت کے اس رس بھرے دھوکے میں نہ آؤ۔ اس کے ساتھ فرائضِ دنیا اور خدمتِ خلق کو شامل کرو۔

اسم

اسمِ الٰہی صرف روحانیت کی شاخِ گل نہیں بلکہ یہ تو ایک پہلو بیان ہوا۔ یہ دنیاوی درجات اور مادی ترقیات کا بھی کیمیائی نسخہ ہے۔ ہمتوں کو بلند رکھنے۔ راہِ حق میں صبر سے آزمائشیں جھیلنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کا نام ہر مشکل کو آسان کرتا ہے۔ تب ہی تو یہ قرآن کی ہر سورت کا عنوان ہے اور نماز کی ہر رکعت کی ابتدا ہے۔ اپنے آپ کو شیطان کے فتنوں سے خدا کی پناہ میں دے کر اس کے نام کا سہارا

ے کر دنیا میں بڑے کاموں کا عزم کر کے اٹھو۔ تب نامعلوم راہوں سے مدد پہنچتی ہے،
کائنات کے سارے قوانین کو کون سمجھتا ہے۔ ظاہری اسباب کے ساتھ تعلق باللہ
بھی مسلمانوں کو سربلند رکھنے کا ضروری جزو ہے۔

مسلمانوں میں معرکہ یہ آن پڑا ہے کہ اسباب فراہم کرنے والے تعلق باللہ کی اہمیت نہیں سمجھتے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے فراہمیٔ قوت سے قطعی غافل ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ دنیا بھر کا مسلمان صرف دوسروں کا محتاج بن کر رہ گیا ہے۔ وہ ہتھیار اٹھانے کی بجائے محض دُعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے۔ باقی سارا کام خدا سے متعلق کر کے بیٹھ جاتا ہے۔

زمانۂ حال کے ایک بزرگ کی بابت سنا کہ انہیں قبض اور بخار کی شکایت ہو گئی۔ لوگ عیادت کو گئے۔ حال پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ الحمدللہ بخار جاتا رہا ہے خدا پاخانہ بھی لا دے گا۔

یہ جواب اس صورت میں ہماری بدقسمتی کا پورا نمونہ ہے۔ اگر ہم خدا کے لئے استعمال ہونا نونہ چاہییں۔ البتہ ہر مرض میں خدا کو نسخے کے طور پر استعمال کریں تو ہم خدا کے بندے کیسے ہوتے۔ لیکن ہم خدا کو اپنا غلام اور چپک بنا کر خوش ہیں۔ خود تکیوں سے ٹیک لگا کر حقہ سامنے رکھ کر خدا کو پکارتے ہیں کہ ذرا آنا اور ہمارا یہ کام کر جانا۔ مساجد میں اس کے احکام سن کر سربکف ہو کر نکلنے کی ٹھان لے کر نہیں جاتے۔ بلکہ محض کاروباری معاملات کو سلجھانے میں اس کی اچانک مدد لینے جاتے ہیں۔ ان کی مرضی کے مطابق کام نہیں ہوتا یا ہو جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں خدا کو بھول جاتے ہیں۔

بعض امراء اللہ اللہ کرنے لگتے ہیں۔ رزق میں کمی آ جاتی ہے۔ آوارہ حاشیہ نشین

خدا کی برکت کی مزاحیہ حکایتیں بیان کرتے ہیں۔ وہ بھی سمجھتا ہے کہ خدا کے نام کی اچھی برکت پڑی کہ آمدنی کے ذرائع مسدود ہو گئے۔ حالانکہ وہ آمدنی عورتوں کی عفت لوٹنے یا سامانِ غرور خریدنے پر خرچ ہوتی تھی۔ باپ کی شفقت کے معنی یہ نہیں کہ بچے کو عنایات کی فراوانی سے چھوئی موئی بنا رکھے۔ بلکہ اس کے گِر گِر کر اٹھنے اور اُٹھ اٹھ کر گرنے سے خوش ہوتا ہے۔ اسے حصولِ علم کی جانکاہیوں میں ڈالتا ہے تاکہ جسم و جان اور علم و عقل کی ایسی ترقی ہو کہ وہ سردارِ قوم بنے۔ خدا مشکلات میں ڈال کر اور امتحان میں دھکیل کر اکثر انسانوں کی زندگیوں کو بابرکت کر دیتا ہے۔ اور ان میں اہلِ جنت کے سے خصائص پیدا ہو جاتے ہیں۔

وہ خصائص کیا ہیں۔ اپنی قربانی اور مخلوقِ خدا کی خدمت۔ اہل جنت وہی ہیں جو اللہ کی عظمت کو دل میں قائم رکھ کر ہر وقت اس کی بھلائی کے لئے سرگرداں رہتے ہیں۔ اے عزیز! اس کے نام کی برکت کے بغیر خدمتِ خلق کا پاکیزہ جذبہ تادیر قائم نہیں رہ سکتا۔ ترش عمل کے ساتھ اس کا میٹھا میٹھا ذکر بھی ہو تو زندگی رنگین راگ بن جاتی ہے، ہر مشکل گھاٹی سے انسان گزرتا ہے گویا وہ وادیِ کشمیر کی دلفریب راہوں سے ہوتا ہوا جا رہا ہے۔ لوگ موت سے ڈرتے ہیں۔ وہ خدا کی خوشی میں موت کو ڈھونڈتا پھرتا ہے، بس اللہ کے نام کی برکت یہ ہے کہ اچھے کاموں کا بے پناہ عزم پیدا ہو۔ خلق اللہ کی خدمت نہ صرف آسان نظر آتے۔ بلکہ اس خوشی میں جان کو آرام ملے۔

بے دین اسے مہمل سمجھیں۔ مگر مسلمان کو اس کے نام کی برکت سے ہر مہم محبت کے گیت کی طرح دل کش معلوم ہو۔ اے عزیز! جو اس کے نام کی برکت ڈھونڈتے ہیں وہ دنیا کے راگ رنگ بھول جاتے ہیں اور ان کی اپنی زندگی سہاگ رات کی طرح رنگین

ہو جاتی ہے۔

دنیا کے راگ ختم ہو جاتے ہیں اور ساز خاموش ہو جاتے ہیں۔ مگر خدا کا نام عمل کو عمدہ آواز اور جسم کو ساز بنا دیتا ہے اور ہر وقت عشقِ الٰہی کی سرشاریاں قائم رہتی ہیں، تاہم مسلمان بدمست اور بیہوش نہیں ہوتا کہ کوئی شیطان اس کی متاعِ ایمان و عمل لوٹ لے بلکہ وہ دنیا کے جان و مال کا مشہور محافظ ہو جاتا ہے۔

افسوس ہم سب اللہ کے نام سے برکت ڈھونڈنا نہیں چاہتے اور اس کے حکموں پر عمل کرنے کی توفیق نہیں مانگتے۔ بلکہ ہماری عبادات اس لئے ہیں کہ ہم خدا کو اپنی منشا کے مطابق چلائیں۔ ہماری یہ آرزو قیامت تک پوری نہیں ہوگی۔ ہوگا وہی جو وہ چاہے گا۔ تاہم جب بھی عمل کے ساتھ ذکر سے برکت ڈھونڈی گئی ہے اکثر صورتوں میں غیرمرئی ہاتھ مدد کو پہنچا ہے۔

اس امر کا بھی صاف اعتراف کر لینا چاہیئے کہ بعض اوقات نتائج طبیعت کی وقتی خواہش کے خلاف ہوتے ہیں اور انسان بےیقینی کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ حالانکہ بظاہر ناکامیاں اور مایوسیاں انجام کار کامرانیوں اور بے پایاں مسرّتوں کا باعث ہوتی ہیں۔ نیکی کا انجام بُرا نہیں۔ اگرچہ اس کی ظاہری صورت ناپسندیدہ ہوتی ہے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد دل گواہی دیتا ہے کہ میرے لئے یہی مفید تھا۔ عارضی ناکامی کسی مستقل کامیابی کا پیش خیمہ تھی۔

تنبیہہ

مسلمانوں کے زوال کے عروج کو دیکھ کر متشکک پوچھتا ہے کہ حق و باطل کے

نزاع میں کیا حق کی سربلندی یقینی نہیں؛ وہ خاص طور پر کربلا کے ذبح عظیم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ عقل فکر میں ڈوب جاتی ہے، لیکن علم حق کی مدد کو پہنچ کر کہتا ہے کہ شخصی قانون قومی قانون پر حاوی نہیں۔ شخصی نیکی بجائے خود قابل ستائش ہے لیکن قومی فتح مندیوں کے لئے چند اشخاص کی عمدہ سیرت اور تعلق باللہ عالم ہست و بود میں انقلاب پیدا کرنے کی کافی ضمانت نہیں۔ اس کے لئے تدبیر کی استواری اور اسباب کی فراہمی ضروری شرط ہے

اس جنگ عظیم میں فرانس کی تباہی اشخاص کی کم ہمتی اور بزدلی نہ تھی بلکہ جدید اسلحہ کی تیاری میں تھوڑی سی غفلت قوم کی قوم کو ہٹلر کے پاؤں میں گرانے کا باعث ہو گئی۔ اسی طرح کربلا کے پاک شہداء پر حرف گیری ہرگز مناسب نہیں۔ اس وقت اسباب کی فراہمی میسر نہ آسکی اور غریب نیکی ساحل فرات پر سرمایہ دارانہ فسق و فجور کی ننگی تلوار سے ذبح ہو گئی۔ پس خدا کو خوش کرنے کے لئے نمازوں سے نیکی کی شخصی آراستگی کے ساتھ جماعتی ظفر مندی کے اسباب فراہم کرنے کو نیکی کا اہم جزو تصور کرنا چاہیئے۔ بے تدبیری سے بچنا بھی نیکی ہے اور فراہمئ اسباب سے غافل رہنا بڑی معصیت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ محض قولی عبادت کے نشے میں پڑ کر تدبیر اور اسباب سے غافل ہو جاؤ اور اپنی غفلت اور عدم تیاری کا بوجھ خدا کی تقدیر پر ڈالو! بیلچے اور کلہاڑی سے اوّل درجے کی اسلحہ پوش قوموں کے مقابلے پر مسلمانوں کو مطمئن رکھنا قومی گناہ ہے۔ ہماری جماعت بندی اور اسلحہ سازی دشمن سے بہرحال بہتر ہونی چاہیئے۔ فرانس کی موجودہ شکست کی تہ میں امرا کی عشرت پسندی اور متوثر ہتھیاروں کی کمی تھی۔ حق اگر بے ہتھیار ہو گا۔ اسلحہ پوش باطل کے سامنے اسے جھک جانا پڑے گا۔ ایسا نہ کرو کہ خدا اور عقل کے صاف احکام سے بغاوت کر کے فتح کے اسباب مہیا نہ کرو اور تدبیروں سے غافل نہ رہو۔ جب صریح غفلت کے باعث ہلاکت گھر

بے نو پکارنے لگو کہ حق کے مقابلے میں باطل کی شکست کا وعدہ ایک جھوٹا افسانہ تھا۔ ہاں بے بسی میں اللہ کے نام کی برکت ڈھونڈو اور دنیا کو بس میں لانے کی تدبیروں سے غافل سے رہو۔ نہ اسباب کی فراہمی میں کوتاہی کرو۔ تم خود کچھ کرو تو خدا برکت دے۔ محض پھونکوں سے دشمن مغلوب ہو سکتا تو بالغ نظر پیغمبر اپنی جان فراہمی اسباب میں اجیرن کیوں کر لیتا یا صحابہ کا خونِ پاک بدر و حنین کی خاک میں ملا کیوں نظر آتا ؎

وَتَعَالیٰ جَدُّکَ

اور اُونچی ہے شان تیری

نفس کا غرور عقل کو اُچک کر بیہودہ پندار میں گرفتار کر دیتا ہے۔ انسان اپنے سائے کو دیکھتا نکلتا ہے۔ وہ تن کر چلتا ہے۔ اسے اپنی شخصیت کے طول و عرض کے لحاظ سے کھلے سے کھلا بازار بھی تنگ نظر آتا ہے۔ کبھی اپنے حسن و جمال پر اتراتا ہے کبھی دوسروں پر نگاہِ قہر ڈال کر اپنے رعب و داب کا خود ہی جائزہ لیتا جاتا ہے۔ کبھی حکومت اور دولت کے نشے سے مجبور ہو کر زبردست غریب کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور ذلت سے خطاب کرتا ہے۔ کبھی اپنے خاندان پر فخر کرتا ہے کہ میرا ہی خون اعلیٰ اور پاک ہے۔ دیکھو منی کا گندہ قطرہ کتنی دون کی لیتا ہے!

قوموں کو کچل کر کوئی شہنشاہ بھی بن جائے تو کیا۔ نظامِ عالم کی وسعت پر غور کرو۔ اَن گنت ستارے اس دنیا میں بڑی بڑی دنیائیں ہیں۔ ان دنیاؤں میں کون کہہ سکتا ہے۔ ایسے کتنے اور پاگل ہوں گے۔ جو دنیا کے افسانوں کی طرح اپنی بڑائی کی بڑ ہانکتے ہوں گے۔ اے مغرور! دیکھ یہ دنیا وسیع نظامِ کائنات میں ایک ذرۂ خاک ہے اور اس ذرہ خاک میں بھی تیری حیثیت کیا ہے قطرۂ منی تیری ابتدا۔ خاکِ مذلت تیری انتہا، اس پر بھی یہ غرور! تیری عقل پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔

آ! اس کائنات کے پروردگار کے حضور میں گردن جھکا۔ انسان کا ہر قطرۂ خون

ایک آباد دنیا ہے۔ پانی کی ہر بُوند لاکھوں جانداروں کی بستی ہے۔ دوربین سے ستاروں ہی کو نہ دیکھو۔ خوردبین سے پانی اور خون کے قطرے کو بھی دیکھو۔ وہاں بھی جہان آباد ہے۔ کیا تعجب کہ خون اور پانی کے ان کیڑوں کے دماغ میں بھی انا الموجود لاغیری کا کیڑا سمایا ہو اور وہ اپنی حقیر دنیا میں اپنے سوا کسی کو خاطر میں نہ لاتے ہوں۔ دوسروں پر نظر حقارت ڈال کر گذرنے والو اکائنات کی بے پایاں وسعتوں میں اپنی حقیر شخصیت پر نظر کرو اور پروردگارِ عالم کی شان دیکھو دنیائے بسیط میں ستارے صحرائے اعظم کے ذرّوں کی طرح بےشمار ہیں۔ دُنیا بھی ان ذرّوں میں ایک ذرّہ ہے۔ پھر اس ذرّۂ خاک میں انسان ذرا سا ذرّہ ہے۔ کیا حق نہیں ہے کہ ربّ العالمین کی شان کے مقابلے میں ہم اپنی شان بھول جائیں اور غرور کو چھوڑ کر خاکساری اختیار کریں۔ اپنی عقل اور اپنے عمل کو سب کچھ نہ سمجھیں۔ تکبّر کی بجائے تدبّر اختیار کر کے وتعالیٰ جدّہٗ کی حقیقت پر نگاہ رکھیں۔ تڑپ تڑپ کر اسی قدرت والے کے حضور میں سجدہ ریز ہو کر اس کے احکام کی پیروی کے لئے بڑھیں۔

لیکن راہِ حق سے بھولا ہُوا مسلمان خود ہر جگہ غیروں کا غلام ہے۔ مگر کلمہ گویوں کو کمین سمجھ کر ان سے جانوروں کا سا سلوک کرتا ہے۔ ہندوستان کے کسی گاؤں میں جا کر اس علم میں اضافہ کرو کہ کس طرح ایک مسلمان زمیندار اپنے مسلمان کاشتکاروں کو غلاموں سے بدتر بنا کر رکھتا ہے۔ اُنہیں کمین یعنی کمینے کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اے ظالم سرمایہ دار! کیا غریب بھی کمینہ ہوتا ہے اور پھر کلمہ گو! ہم نے پاک محمدؐ کے سیدھے اور صاف دین کو کیسا ناپاک کر دیا۔ امراء کے کتّے چار پائیوں پر مخمل کے گدیلوں پر سوتے ہیں۔ لیکن نبیؐ کے غریب نام لیوا ستر پوشی کے محتاج پھرتے ہیں۔ یہ کتّوں کا مُنہ چوم

لیتے ہیں۔ لیکن کمین قوم کے کلمہ گو بھائی کو گلے لگانا تو کجا ایک دستر خوان پر بٹھا کر کھانا کھلانے کو اپنے شرف کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اسلام کے ایسے گھناؤنے نمونے نمازوں کے زور سے خدا کی خوشنودی کی جنت میں داخل ہونے کی توقع رکھتے ہیں۔ اے عزیزو! ہزار دفعہ سُن لو کہ ایسی نمازیں بیکار ہیں۔ جن کا نتیجہ خدا کے حکموں پر آمادگی نہ ہو اور وہ عبادتیں شیطانی اطمینان اور دھوکے ہیں جن سے انسان بے خطر انسانوں کی توہین، ذلت اور مصیبت کا باعث بنتا چلا جائے۔

نبی کریمؐ کے غلام یعنی ہمارے سردار زیدؓ کا حال سُنو کہ غلام تھا مگر آقا نے بچوں کی طرح محبت کی۔ آجکل کا امیر گالی سمجھے گا۔ مگر رحمۃ للعلمینؐ نے اُسے بھائی بنایا۔ انسانی حقوق کے معاملے میں تو خدا کے پیغامبر نے مسلم اور غیر مسلم میں بھی امتیاز روا نہ رکھا۔ چہ جائیکہ دین کے بھائی کو دنیا میں ذلیل رکھا جائے۔

عبرت آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتی ہے کہ اے آسمان، زمین پر یہ کیا اندھیر ہے کہ نام نہاد مسلمان امراء نے امتِ رسولؐ ہی کو بدتر از غلام بنا رکھا ہے۔ ان کی مدد تو کجا ان کا ہی خون چوس کر اپنے چہروں کے رنگ میں اضافہ کرتے ہیں۔ ان کی بہو بیٹیوں کی برملا عصمت لوٹ کر اپنے نفس کی خوشی کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ وہ اپنی شان اور خاندان کی عزت کی عمارت کی تعمیر غریب مسلمانوں کو بے توقیر کر کے کرتے ہیں حالانکہ نمازوں میں وہ وَتَعَالیٰ جَدُّکَ کا رات دن زبانی اقرار کرتے ہیں۔

اپنی شان اور جاہ جلال پر اپنے جیسے انسانوں کی خوشیاں قربان کر کے خوش ہونے والے لوگو! تم نے خدا کی بھولی بھالی مخلوق کو کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے! تم نے اپنے جیسے انسانوں کو سرمائے کے سنہری، روپہلی دام میں گرفتار کیا اور

شخصی حکومت کی آہنی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے، حالانکہ حق یہ تھا کہ اس بڑی شان والے خدا کے مظہرات جمال و جلال کو دیکھ کر اپنی حقیر ہستی کا سجدوں میں گر کر اقرار کرتے اور مخلوق خدا کی مشکلات کم کرنے کے لئے جان لڑا دیتے۔ لیکن تمہیں کیا ہوا کہ جب تم فاخرہ لباس پہن کر اور آئینہ رو ہو کر سج دھج سے گھر سے نکلتے ہو تو تمہیں دوسرے انسان کیڑے مکوڑے نظر آتے ہیں۔ اے نادان! اس چند روزہ زندگی کو غنیمت جان اور اس عمل کی زندگی میں نیکی کی کاشت کر لے۔ کون جانتا ہے کب بلاوا آ جائے۔ اے عزیز! اللہ کی عبادت کا غازہ مل لے اور مخلوقِ خدا کی خدمت کا زیور پہن لے۔ کس کو خبر ہے کہ عمر کی گھڑیاں کب تمام ہو جائیں۔

اس علم کے دریا حضرت انور شاہ کے متعلق لوگ بیان کرتے ہیں کہ کبھی جذب و مستی میں آ کر گاتے اور بے ساختہ جھوم جایا کرتے تھے ؎

رنگا لے چیز یا گندا کے ری سیس — تو کیا کیا کرے گی اری دن کے دن
نہ جانے بلاوے پیا کس گھڑی! — کھڑی منہ تکے گی اری ایک دن

یہ اشعار پڑھ پڑھ کر اُن کی آنکھیں ساون کا سماں باندھ دیتی تھیں اور سننے والوں کے قلب پر رنگ برسنے لگتا تھا۔ جو لوگ زندگی خدمتِ دین و خلق میں بسر کرنے کے باوجود اپنی کوتاہیوں کے اقرار سے بے چین ہوئے۔ ان کا ان لوگوں سے کیا مقابلہ کیا جائے جنہوں نے عمر امارت کے غرور اور حکومت کے نشے میں کاٹی۔ انہیں کبھی توفیق نہ ملی کہ عیاشی کی رنگین راہوں کو چھوڑ کر حسنِ عمل یعنی خدائے پاک کی محبوب مخلوق کی خدمت کا عزم لے کر اٹھیں۔

وَلَآ اِلٰـهَ غَیْرُكَ

اور تیرے سوا کوئی پوجا کے لائق نہیں۔

شانِ جمال وجلال کی ہلکی سی جھلک گذشتہ صفحات میں بیان ہوئی۔ اس کا تقاضا ہے کہ بے ساختہ لَآ اِلٰـهَ غَیْرُكَ زبان پر جاری ہو جائے۔ انسانی گمراہیوں کی انتہا ہے کہ خدا کے سوا کوئی کسی اور کو عبادت کے لائق سمجھے۔ عقل کارخانۂ قدرت کے طول و عرض، کیف وکم، زیبائش و آسائش کی طرف اشارہ کرکے فطرتِ انسانی سے پوچھتی ہے کہ کوئی ہے جو خالقِ بحر و بر کے سوا ہماری عبادتوں کے قابل ہو؟

اب ساری دنیا سے جہالت دُور ہو رہی ہے۔ ساری قومیں شرک کی تاریکیوں سے نکل چکی ہیں۔ اب تو پُرانے مشرکوں کی اولاد بھی عیز اللہ کی پرستش کرنے والے اپنے بزرگوں کے عمل کی موحّدانہ تعبیر کر رہی ہے۔ برنارڈ شا انگریزی مفکّر نے لکھا کہ "خدا کو مسیحؑ کے بھیس میں چلتا پھرتا کوئی کیونکر مان لے"۔ لیکن قیامت ہے کہ فریبی پیروں اور جھوٹے ولیوں نے مسلمانوں کی مٹی خراب کر رکھی ہے۔ وہ مسلمانوں سے سجدے کراتے ہیں اور انہیں اپنے آگے جھکاتے ہیں۔ اسلام کی سیدھی اور صاف تعلیم کے مقابلے میں باتوں کے طوطے مینا بنا کر جہلا کو اُلّو بناتے ہیں۔ اسلام کی تعلیم کو جانتے ہیں کہ یوں ہی ہے لیکن وہ عقل کا ناجائز استعمال کر کے بیوقوفوں کو گدھا بنا کر ان پر سوار رہنا اپنا فطری

حق سمجھتے ہیں اعلانیہ فسق و فجور میں مبتلا لوگ روحانی اڈے بنائے بیٹھے ہیں۔ وہ غیر ملکی[1] حکومت کے آسرے پر بے خطر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ شیطان نے آخرت کا کھٹکا اُن کے دل سے دور کر رکھا ہے۔ اے عزیز! ذرا آنکھیں تو کھول!! گرد و پیش کو تو دیکھ! خاک اور افلاک کو برپا کرنے والے کے بغیر بھی بھلا کوئی عقید قبول کا مستحق ہو سکتا ہے۔ کفر و انکار کسی کو اندھا کر دے اور کوئی خدا کو نہ دیکھ سکے یہ بھی بہت بڑی معذوری ہے لیکن خدا کو مان کر کسی اور کو اس کا شریک سمجھ لے۔ یہ کفر سے بھی بہت بڑی ضلالت ہے۔

زندہ خدا کی بجائے مردوں سے مرادیں مانگنے کا کاروبار اتنا ترقی پذیر ہے کہ مسجدیں ویران اور مقبروں پر میلے ہیں۔ مساجد جہاں رونق پر ہیں۔ وہ اس لئے کہ کسی قبر کے ملحق ہیں۔ ورنہ مسجد میں اللہ کے عبادت گذاروں کے لئے کوئی کشش نہیں رہی۔ قبریں جائے عبرت نہیں۔ اب مقامِ عبادت ہو گئیں۔ پھر بھولا مسلمان پوچھتا ہے کہ توحید پرست تثلیث پرستوں سے مغلوب کیونکر ہو گئے ہ وہ نہیں سوچتا کہ عیسائیوں نے تو تین خداؤں پر اکتفا کی تھی یہاں ہر قبر مسجود ہے۔ زندہ خدا کو چھوڑ کر مُردوں کی طرف رجوع کرنے والی قوم روحانی اور سیاسی لحاظ سے مردہ کیوں نہ ہو جائے! کہاں جہان کا پروردگار اور کہاں بے حیثیت انسان۔ لیکن یہ تماشہ مسلمانوں میں جاری ہے کہ شان و جلال والے خدا کو انسانوں نے معطل کر کے اپنی منشار کے مطابق ولیوں اور بزرگوں

---

[1] یہ کتاب برصغیر کی آزادی سے پہلے لکھی گئی تھی۔

کی پرستش شروع کر رکھی ہے ۔ حالانکہ نور ہدایت پیغمبرؐ نے مسجدوں کا محل بجز خدائے پاک کے کسی اور قرار نہ دیا اور انسانی عمل اور عبادت کا مرکزی نقطہ توحید باری تعالیٰ کو قرار دیا ۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

(مولانا محمد علی جوہرؒ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بخشش کرنیوالا مہربان ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ الرَّحۡمٰنِ

سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو جہانوں کا پالنے والا ہے۔ جو بڑا مہربان

الرَّحِيۡمِ ۙ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ؕ اِيَّاكَ

نہایت رحم والا ہے۔ جو مالک ہے روزِ جزا کا ۔ ہم تیری ہی

نَعۡبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ؕ اِهۡدِنَا

عبادت کرتے ہیں اور تیری ہی مدد چاہتے ہیں ۔ ہم کو

الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ

سیدھا راستہ دکھا ۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر

اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ

تو نے انعام فرمایا ہے، نہ راستہ ان لوگوں کا جن پر تیرا غضب ہوا،

وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۝

اور نہ گمراہوں کا ۞

پہیلی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ

تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ مہربان ہے

الرَّحِیْمِ ۝ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝

رحم والا۔ قیامت کے دن کا مالک ہے۔

اے عزیز! درخت کا ہر پتہ عاقل کے لئے پہیلی ہے اور قدرت کا سارا کارخانہ اربابِ علم و بصیرت کے لئے چیستان ہے کائنات کے معمے کو دانش و حکمت کے زور سے کون حل کرے۔ عقل کو عمر گرہ کھولنے میں گذر جاتی ہے۔ وہ جتنے قدرت کے عقد سے کھولتی ہے۔ اُسے اور گرہ در گرہ لگی نظر آتی ہے۔ سائنس حقیقت کے چہرے سے ایک پردہ مشکل سے ہٹاتی ہے۔ اسے ہزار پردے اور نظر آتے ہیں۔

برسات کا موسم اور تاروں چھٹکی رات میں اپنی پیاری سکھی کے پاس بیٹھی ایک سکھی تن من کی کیفیتوں کو بجھارتوں میں بیان کر رہی تھی۔ بولی، سہیلی بوجھ پہیلی:-

بن میں رہیں وہ تن چھپے کھڑے — دیکھ سکھی میرے پیچھے پڑے!

اُن بن میرا کون احوال

دُوسری نے دریائے فکر میں غوطہ لگا کر ہزار ہاتھ پاؤں مارے کہ کہیں اس

کی کلید مِل جائے۔ سوچتے سوچتے یوں سوچا کہ سکھی ضرور ساجن کا حال کہہ رہی ہے۔ بغیر پیار کے بن میں اور کوئی کون رہے۔ بغیر پریت کے سائے کی طرح کون لگا لگا پھرے۔ سوکتنی تو ہے کہ ان بن میرا کون احوال۔ ہو نہ ہو۔ میرے بہنوئی کی محبّت کا یہ افسانہ ہے۔ اپنے خیال میں بجھارت بوجھ کر اس روپ متی کا رنگ اور نکھر جاتا ہے اور پھر کہتی ہے ذرا دہراؤ پہیلی! دوسری پھر یوں دہراتی ہے:۔

بن میں رہیں وہ ترچھے کھڑے   دیکھ سکھی میرے پیچھے پڑے!

اُن بن میرا کون احوال

وہ جواب دیتی ہے۔ اے سکھی ساجن۔ وہ سر نفی میں ہلا کر مسکرا کر کہتی ہے۔ نہ سکھی بال۔ وہ تعجب سے پوچھتی ہے بال؟ وہ یقین سے کہتی ہے۔ ہاں بال۔ پھر تو سارا معمہ ایک رسوا راز نظر آتا ہے۔ تعجب کرنے والی خود سوچتی ہے کہ بال ہی تو عورت کی زینت کا سرمایہ ہیں۔ سر پر بالوں کا بن ترچھا ہوتا ہے اور پیچھے پڑا رہتا ہے۔ بالوں کے بغیر عورت کیسی بھونڈی اور چڑیا گھر کا جانور معلوم ہوتی ہے۔

قدرت کائنات کی پہیلی عقل کے سامنے رکھ کر کہتی ہے۔ سہیلی بوجھ پہیلی! اب عقل عمر کے دشت میں ٹا لک ٹوئیاں مارتی پھرتی ہے۔ کبھی علم کی عینک لگا کر دیکھتی ہے۔ کبھی تجربوں کی بنا پر راہِ حقیقت پا لینے کی اُمیدوں میں مگن ہے۔ لیکن عقل اور تجربوں کے لئے کائنات کا معمہ پُر پیچ ہے۔ مخصوص بالغ العقل ہی اس پاک پہیلی کو بوجھ سکتے ہیں۔ انہی اربابِ عقل و بصیرت میں سے چند اربابِ ہمّت دنیا کی رہنمائی کے لئے چُن لئے جاتے ہیں۔ وہ پیاری سہیلی کی طرح نہایت شفقت سے کائنات کے رازوں کو چند لفظوں میں بیان کر کے دل و دماغ کی سب

الجھنوں کو دُور کر دیتے ہیں اور سچائیوں کو آسانی سے جان جانے میں مدد ملتی ہے۔

عقل جب بالغ ہو کر کارخانۂ قدرت پر نظر ڈالتی ہے تو اس کی وسعتوں کو دیکھ کر ٹھٹک کر رہ جاتی ہے۔ دل بے چین سا ہو کر دماغ سے سوال کرتا ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں بنائے بنتی ہیں۔ اس کارگاہِ عالم کا کاریگر کون ہے؟ کبھی آفتاب کی تمازت اور چاند کے حسن سے دھوکا کھا کر کہتا ہے۔ ہذا ربی۔ کبھی پہاڑوں کی عظمت اور دریاؤں کے جلال کو دیکھ کر جھک جاتا ہے۔ کبھی آگ کی روشنی اور اس کی ہلاکت خیزی کو دیکھ کر سر بسجدہ ہو جاتا ہے۔ کبھی شہنشاہوں کی فرعونیت سے متاثر نظر آتا ہے۔ کبھی نیکوکاروں کو اپنے سے بہتر پا کر ان میں الوہیت کے آثار دیکھتا ہے۔ غرض طاقت و قوّت کے الگ الگ مظاہرات کو دیکھ کر اپنے رجحان طبع کے مطابق کسی کو رب قیاس کر لیتا ہے۔ کائنات کے گورکھ دھندے میں عقل الجھ کے رہ جاتی ہے۔ قدرت کی پہیلی بوجھنے میں دل و دماغ پریشان ہو جاتے ہیں۔ قدرتِ کاملہ کی کمال کرم فرمائی، کریم النفس انسانوں کو دنیا میں بھیج کر عقل کو حیرانیوں سے نکالنے کا بندوبست کرتی رہی ہے۔

انسان کی ابتدائی تاریخ میں قوموں نے اپنے ذوق کے مطابق خدا کو الگ مظاہرات میں محدود کر کے قدرت کے معمے کو حل کرنے میں ٹھوکر کھائی۔ پیغمبروں کی معرفت قدرت کی پہیلی کا درست ترین حل بتا کر انسانی عقل کو بلند کیا گیا اور بے اطمینان دل میں یقین اور ایمان کی جنت آراستہ کی گئی۔ خدا کے نبیوں کی ان تھک کوششوں سے اب دل و دماغ ایسے روشن ہو گئے کہ کسی طفلِ مکتب سے جا کر پوچھو کہ کائنات کا پروردگار کون ہے؟ وہ بھی یہی کہے گا کہ ایک خدا۔ سائنس اب کہنے لگی ہے کہ

شمسی نظام جیسے اور ہزار نظام موجود ہیں۔ عقل اب ارض و سما کی بے پایاں وسعتوں کو دیکھ کر اس کی حمد کے گیت گانے لگی۔ نبیوں اور نیکوں کے الہام و وجدان نے ابتدا سے اسی کے گن گا کر دل کو رشک گلزار بنائے رکھا۔ اب تو نبیوں کی تعلیم نے فطرتِ انسانی کو ایسا پاکیزہ کر دیا ہے کہ مشرک سے مشرک شرک پر شک کرنے لگے ہیں اور ان کے دل میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ط کی دھیمی دھیمی آوازیں اُٹھتی ہیں۔ جوں جوں سائنس بڑھے گی اور عقل ترقی کرے گی شرک سب سے بڑی نامرادی قرار دیا جائیگا۔

میرے دل نے ہمیشہ گواہی دی ہے کہ خدا کے پاکیزہ تصور کے لحاظ سے ایک سیدھا سادہ مسلمان بڑے سے بڑے غیر مسلم فلسفی سے بہتر ہوتا ہے۔ اِسی طرح ایک غازی مسلمان کی کمر کا لباس غیر مسلم کے سر کے لباس سے پاک ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیم ظاہر و باطن کی پاکیزگی کی محفوظ ضمانت ہے۔ اگر کوئی اس کی الہامی ضمانت کو قبول نہ کرنا چاہے تو بھی عقل کی کاوش اسے اسی الہام کی صحت کا اقرار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ ایک مسلمان وحی کی زبان سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کی آواز سنتا ہے اور عقل کو اس کی تصدیق کرنے پر مجبور پاتا ہے۔ غیر مسلم حکیم کے پاس صرف عقل کا سہارا ہے، لنگڑا لڑھک کر چلتا ہے۔ گرتا پڑتا ہزار زاری کے بعد منزل مقصود کو پہنچتا ہے۔ لیکن اس قوم کا کوئی مقابلہ کیونکہ کرے گا۔ جو وحی اور عقل دونوں ٹانگوں کے سہارے سے چلتی ہے۔ ہم مسلمان پہلے الہام کی آواز کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ط کہتے سنتے ہیں پھر عقل کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہتے پاتے ہیں۔ شکوک و شبہات سر پیٹ کر دل کی بستی سے نکل جاتے ہیں۔ قلب ایمان کے نور سے روشن ہو جاتا ہے اور اللہ کی اس صفت پر پورا یقین ہو جاتا ہے۔ کہ وہی جہانوں کا پالنے والا

ہے اور اس کارخانۂ قدرت کو چلانے والا ہے۔ سوتیلی کے روائتی جذبۂ نفرت کو دل میں رکھ کر خاوند کے خوف سے دوسری متوفیہ بیوی کی اولاد کو طوعاً کرہاً نہیں پالتا بلکہ اس کی ربوبیت کی شان میں ماں کی جھلک ہے۔ ماں بیٹے کی آسائش کے لیئے ہزار سامان مہیا کرتی ہے۔ شانِ ربّی نے انسان کے فائدے اور آرام کے لئے کیا کچھ نہیں بنایا سورج۔ چاند۔ دریا اور پہاڑ۔ پھل اور پھول صرف انسان کی جان کے لیئے ہیں۔ اسی لیئے انسان کا حق ہے کہ وہ سوچے اور احسان مندی سے سر جھکا کر اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ کے ساتھ الرَّحۡمٰنِ کا اضافہ کرنے کہ بغیر خدمت اور محنت کے دُنیا و آخرت کے یہ انعام اس فراوانی سے دیئے کہ ہر انسان جائز گمان کرتا ہے کہ کائنات کی ساری برات کا دولہا میں ہی ہوں۔ پھر ذراسی محنت اور تھوڑی سی کاوش کرکے الرَّحِیۡمِ کی شان دیکھے۔ دریاؤں سے موتی۔ پہاڑوں سے لعل اور مٹی سے پھل پھول حاصل کرے۔ لیکن دانا دے اور کہیں ایسا بدمست نہ ہوجائے کہ انگوروں کی شراب بنا کر عقل کی مٹی پلید کرکے چوراہے میں ننگا ناچے۔ وسیع دنیا کی پیداوار کو صرف اپنے اور اپنے خاندان کے لئے مخصوص کرلے اور اس طرح بچاروں کو غلام بنا کر ایک غیر عادلانہ نظام قائم کرے۔ زبردستوں پر زبردستی کرکے شخصی اور خاندانی حکومت کی بنیاد ڈالے، دے تو ظلم کو رواج مگر مسخرہ ظل اللہ کہلائے۔ خود خاک کا پتلا ہو مگر اپنے خاندان کے مقابلے میں دوسروں کو کمین سمجھے اور روٹی بیٹی کے معاملے میں مسلمانوں سے کراہت کرے۔

غرضیکہ صدیوں سے امراء کی دست درازیوں کا نشانہ رہے ہے، محکوم عرصے سے آقاؤں کے مظالم برداشت کر رہے ہیں۔ یہ زیر دست زبردستوں کے نامۂ اعمال

پر نظر کرکے دِل سے سوال کرتے ہیں۔ خدایا تو ہے کہ نہیں؟ اگر تو ظالموں اور امیروں کا ساتھی ہے، اگر خدا رحمٰن اور رحیم ہے تو امرا اور سلاطین کے لئے۔ ہمارے لئے صرف جبّار اور قہار رہے۔

اے عزیز! اسلام کے خدا پر یہ اتہام ہے۔ اسلام تو نسل اور نسب، دولت اور سلطنت کی بنا پر امتیاز رکھنے والے سارے خداؤں کو ملیامیٹ کرنے کے لئے آیا ہے۔ مسلمان اللہ کی فوج ہیں۔ اس فوج کا یہ کام ہے کہ نسل، دولت اور سلاطین کے بتوں کو گرادے۔ اخوت اور مساوات کی بنا پر ایسی دنیا تعمیر کرے۔ جہاں کوئی شاہ اور گدا نہ ہو۔ شریف اور رذیل خاندانی بنا پر نہ ہوں۔ خدمت اور اخلاق سب کچھ ہو۔ دولت ملک مشترکہ ہو۔ ملک ملوک کی جائیداد نہ ہو۔ غرض امارت اور حکومت میں کامل جمہوریت ہو مسلمانوں میں جو حکومت، امارت اور نسلی فخر کا حامل ہو یا ایسے لوگوں کا حامی ہو وہ سُن لے کہ اللہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے۔ ہر نافرمان کے لئے انعام کا دن ہے۔ خدا کی راہ میں تکلیف اٹھانے والے رحمٰن اور رحیم کی سچائی کی پوری تصدیق کریں گے۔ رنگ اور نسل کا فخر کرنے والے۔ ثروت اور سلطنت کی بنا پر دوسروں کی روٹی اور اطمینان چھین لینے والے يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا (کاش ہم مٹی ہوتے) کہہ کر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہونے کی گواہی دیں گے۔ کیونکہ دنیا کا فخر و غرور کسی کام نہ آئے گا۔ دنیا کی دولت کی سرخیاں چہرے کی زردیوں میں بدل جائیں گی۔ دنیائے عمل کی بجھارت کے صحیح حل میں لوگ کیوں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھرتے ہیں! دنیائے عمل کی پہیلی کا جواب پاداشِ عمل ہے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی دردناک تفسیر کو سمجھ کر جس نے اپنے عمل کی آج اصلاح کر لی وہ کل سرخرو ہوگا۔ جس نے عملِ بد سے لوگوں کو انگاروں پر لوٹایا آگ میں لڑھکایا جائے گا۔

جس نے دُنیا میں عشرت کی داد دی ۔ اس کی فریاد کو کوئی نہ پہنچے گا۔

غافل من کی آنکھیں کھول! گرے پڑے بیماروں کی مدد کا بہترین طریقہ ڈھونڈ نکال، جان کو جوکھوں میں ڈال کر عوام کو جہالت سے بچا تاکہ وہ خود اپنی راہ دیکھ کر دنیا میں ترقی کریں ۔ ان کی پست ہمتی دور کر تاکہ ان میں قوتِ مقابلہ پیدا ہو۔ وہ جو دنیا میں آنند کے تار بجا کر اطمینان کے نغمے گا رہے ہیں وہ سمجھ لیں کہ زندگی کا ساز جلد خاموش ہو جانے والا ہے، پھر اسرافیلی مرلیا باجے گی ۔ اس کی اضطراب انگیز آواز کو سن کر نہ صرف انسان ہی رنگ راگ بھول لیں گے۔ بلکہ ماہیانِ آب اور طائرانِ ہوا بھی بے تاب ہو جائیں گے ۔ جائزہ لو کہ اس کا کیا سامان ہے ۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

(تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں)

جب فطرتِ انسانی قدرتِ ربانی کی ان ابتدائی پہیلیوں کو بوجھ لیتی ہے تو انسان سوچتا ہے کہ اس سلطانِ خوبی کی خوشنودی حاصل کرنے کا جتن کروں۔ عشق مجازی طلبِ یار میں بے قرار ہو کر اس کے ہم نشینوں اور مزاج شناسوں سے باتوں باتوں میں علم حاصل کرتا ہے کہ کپڑے کا کیا رنگ اور عادات کا کیا ڈھنگ مرغوب خاطر ہے؟ پھر وہی رنگ ڈھنگ خود اختیار کرتا ہے۔ اپنے قول و فعل سے ثابت کرتا ہے کہ مجھ مجنون کی جاں کاہی اور کوہ کنی صرف لیلیٰ کے لئے ہے۔ اسی کی طلب کو حضور میں بہترین سفارش سمجھ کر نامہ و پیام میں اسی کی طلب و محبّت کی تکرار کرتا ہے اور یقین دلاتا ہے کہ میں نے دنیا جہان سے رشتہ توڑ کر تجھ سے تعلق جوڑ لیا ہے۔ ہاں اے راحتِ جان تیری بے نیازیوں کی قسم۔ تیرا ہی نیاز مند ہوں۔ محبّت کے نکتہ داں جانتے ہیں کہ محبوب کا من موہ لینے میں یہ بے خطا تدبیر ہے۔

محبّت کا یہ قانون عبادات کی جان ہے۔ صرف قول و قرار سے نہیں بلکہ افعال و اعمال میں اسی خدا کے ہو رہنے کا ثبوت پیش کرنا اس کی سرکار میں قرب کا واحد ذریعہ ہے۔ بارِ گناہ سے بعض گھبرائی ہوئی روحیں خالق سے ایسی شرمندہ ہوتی ہیں کہ براہ راست

خدا سے عرض و گذارش ان کے لئے ناممکن ہوتی ہے۔ کیونکہ خدا کے حکم کو اپنے نفس کی آرزوؤں پر قربان کرنا اُن کا رات دن کا پیشہ رہ چکا ہے۔ اس لئے اس کی بارگاہِ جلال میں جانے والوں کی سفارش کو ایسے لوگ راہِ نجات سمجھتے ہیں۔

پولیس کے رشوت خوار ملازم اور عصمت کی سوداگری کرنے والی بیسوائیں عمر کے آخری ایّام میں پیر فقیر منانے بیٹھ جاتی ہیں اور زندگی کے تجربوں کی بنا پر وہ یہی سمجھتے ہیں کہ اربابِ حکومت کے ہاں تو مزاج میں دخیل لوگوں کی سعئ مشکور سے کام نکلتے ہیں۔ قضا و قدر میں بھی یہی رسم رواج پذیر ہوگی۔ پس پیروں فقیروں کی سفارش سے بیڑا پار ہو جائے گا۔ یہ ذہنی فتنہ بہت سی برائیوں کی بنیاد ہے۔

عرب کے بُت پرست بتوں کو خدا نہ جانتے تھے۔ لیکن خدا کے ہاں ان کی سفارش ضروری سمجھتے تھے۔ ایسے عقائد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدائے برحق بھول جاتا ہے اور شفیعوں میں اعتماد بڑھ جاتا ہے۔ یہ غلط اعتماد اعتقاد بن جاتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ اعتقاد عبادت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اِسی گڑھے میں اور قومیں اوندھے منہ گرتی رہی ہیں۔ اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اس گڑھے سے بچانے کے لئے ایک تنبیہ ہے تاکہ اللہ کی عبودیت کے ساتھ کہیں کوئی غیر اللہ کی شفاعت کی خندق میں نہ گر جائے۔ وہاں کسی کو یارائے دم زدن نہیں۔ کسی ولی اور نبی کی ہمت نہیں کہ خدا کے حضور میں کوئی لفظ بھی منہ سے نکالے لیکن کیا کیا جائے کہ اسلام کے نام لیوا انہی گڑھوں اور خندقوں میں جا گرے ہیں جن سے بچانا مقصود تھا۔ خانقاہوں میں جو بے احتیاطیاں برتی جاتی ہیں۔ وہ سچے مسلمان کے لئے سوہانِ روح ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے۔ قوالوں کی زبان سے اکثر یہ سنیں گے اور مسلمانوں کو سر دھنتے دیکھیں گے ۔

اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

بندہ از بندگی خدا گردد — نتواند کہ مصطفےٰؐ گردد
قطرہ در آب رفتہ آب شود — نتواند کہ دُرِّ ناب شود

سورج اور چاند تو اپنے بنانے والے کی شانِ جلال و جمال کی طرف اشارہ کرتے ہیں لیکن بے سمجھ لوگ خدا کو چھوڑ کر انہی کو پُوجتے ہیں۔

نبی اور نیک لوگ تو اُس کی عظمت اور اُس کے جلال کو دیکھ کر اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ پکارتے ہیں لیکن اوندھی کھوپڑی اور اُلٹے فیصلے کے مالک اِن نبیوں اور ولیوں کو چارہ ساز سمجھ بیٹھے ہیں۔

بتاؤ کفر اور اسلام میں کیا فرق رہ گیا ؟ امتوں کی اس غلط روی کی سزا ناکردہ گناہ نبیوں کو بھگتنی پڑے گی۔ قیامت کے دن اُن پر وہ قیامت کی گھڑی ہوگی جب جمال کے چہرے پر جلال کی شکنیں پڑ جائیں گی اور حضرت عیسٰیؑ جیسے اولوالعزم نبی تک بازپرس سے نہ بچ سکیں گے اور پوچھا جائے گا کہ اے مریمؑ کے بیٹے ! تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کی جگہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو ؟ حضرت عیسٰیؑ کے جواب میں عجز و نیاز کی گہرائیوں دیکھو عرض کریں گے ۔

" تو پاک ہے میرے مالک ۔ مجھ میں کیا جرأت کہ وہ بات کہوں جو حقیقت سے دُور ہو ۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو تجھے ضرور معلوم ہوتا ۔ تیرے دل کی بات میں نہیں جانتا لیکن میرے آقا تو میرے دل کا بھید جانتا ہے "

بعض وقت میں اس تصور سے کانپ جاتا ہوں۔ مبادا کہیں ہمارا پروردگار اس سے ملتے جلتے سوالات ہماری سرکار سے پوچھ لے۔ کیونکہ دنیادار پیروں اور جھوٹے ولیوں نے توکفر اور اسلام کے درمیان کوئی امتیاز چھوڑا ہی نہیں اور ان کے بہکائے سے جاہل عوام توحید کی سرحدات کو پار کر کے شرک کی شاہراہوں پر جا پڑے ہیں۔ اُمت کا غیر اللہ کی طرف رجحان اتنا بڑھ گیا ہے کہ بجا طور پر تشویش کا باعث ہے۔

بعضوں نے لَا یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ کے افسانے تراش لئے ہیں، حالانکہ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کسی کو یارائے دم زدن اور مجالِ گفتگو نہ ہو گی۔ مگر بعض مسلمانوں کو عیسائیوں کی طرح اصرار ہے حضرت محمد رسول اللہ ساری اُمت کے شفیع ہیں۔ خدا ابھی سے فرماتا ہے ؎

بخشوں گا اسی کو جسے بخشائے محمدؐ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا … لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝	اے اہلِ ایمان! خوف خدا کرو۔ اس تک پہنچنے کے وسائل مہیا کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔

کے مطالب بھی ایسی ہی کہانیاں کہہ لیتے ہیں۔ وسائل مہیا کر کے جان جہاد میں لڑانے سے تو کترا تے ہیں۔ وہ تو پیروں فقیروں کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔ تاکہ خدا کی راہ میں جان جوکھوں میں نہ ڈالنی پڑے اور پیروں فقیروں کو کچھ نذر نیاز دے کر چھٹکارا ہو جائے۔ کیسی صاف بات کے کتنے حسبِ منشا مطلب نکال لئے ہیں!۔ وہ برملا کہتے ہیں۔ میاں سرکار دربار میں پہنچنے کا یہی واحد ذریعہ ہے کہ سرکاری درباری لوگوں کا وسیلہ ڈھونڈا جائے۔ گویا خدا دربار سجائے بیٹھا ہے اور امور مملکت میں وہ پیروں فقیروں سے

مشورہ لے کر احکام جاری کرتا ہے۔

یہ مسخرہ پن ہے یا نہیں؟ مگر یہ مسخرے امّت کے ایک بڑے حصّے کی عقلوں پر ڈاکہ ڈال کر اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں۔ عزیز دادہ تو بے وسیلوں کا خود وسیلہ ہے۔ سارے وسیلے ختم کر کے اسی کو اپنا حیلہ وسیلہ بنانے کا نام اسلام ہے۔ وہی کمزوروں کی طاقت وہی حقیروں کا سامانِ غرور ہے۔ اس کا ہو کر تو سب سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو پھر غیر اللہ کی نذر و نیاز کے کیا معنی؟

بچّہ آوارگیوں میں گم ہو کر شام تک گھر نہیں آتا۔ رات کو گھر جانے سے شرماتا ہے۔ تو لوٹ آ اور ماں کے کلیجے سے لگ کر اُسے اتنا یقین دلا کر آئندہ آوارگیوں سے توبہ کرے گا اور بُری صحبتوں سے محتاط رہے گا۔ اس میں بھی اس کا کوئی اپنا فائدہ نہیں بلکہ وہ تو تیرے فائدوں کے لئے بے قرار ہے۔

نادان! خدا تو تجھ پر ماں سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ تُو آوارگیاں چھوڑ کر سیدھا اُسی کی طرف آ۔ ماں اور بچّے کے درمیان بجز حسنِ عمل، خدمت کے واسطے اور وسیلے کا کیا ذکر ہے؟

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ

دکھا ہم کو سیدھا راستہ

عقل اس داتا کی بڑی دین ہے۔ عقل کی آنکھیں ہیں۔ خود راہ دیکھتی ہے مگر عمدہ گھوڑی کی طرح جس کی ران کے نیچے ہو اسی سوار کی ہو رہتی ہے جذبات اس پر اچانک سوار ہو جاتے ہیں اور دل کی منشا کے مطابق جدھر چاہیں لیے پھرتے ہیں۔ یہ حصۂ دعا جذبات کو قابو میں رکھنے کا جتن اور عزم ہے۔ خدا کی مدد کے بغیر یہ مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ عقل کی رہنمائی برحق مگر توفیقِ الٰہی نہ مانگنے والا کافر ہے۔ اکثر دماغ دل کے تابع ہو کر عقل کو فتنہ گری کا اوزار بنا دیتا ہے۔

ایک بنچ پر بیٹھے فاضل جج ایک واقعے سے مختلف نتائج نکالتے ہیں۔ عقل ہی تو ہے جو شہوات کے تابع ہو کر جہنّم میں لے جانے کی نت نئی ترکیبیں سوچتی ہے۔ نیکوں کی عقل ہی ہے جو مولا کو منانے کے لئے عمل کو دُلہن کی طرح آراستہ کرتی ہے۔

اے عزیزو! دُنیا کی دولت، ملکوں کی سلطنت زورِ بازو سے مِل سکتی ہے لیکن راستہ توفیقِ الٰہی کے بغیر میسّر نہیں آتا۔ دنیا کی دولت۔ ملکوں کی سلطنت تو سیدھی راہ کی بلند برجیاں ہیں۔ لیکن صراطِ مستقیم اس کی جلوہ گاہ ناز

پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ جہاں اس کا حسن و جمال، خوبی و کمال فطرت کے دلآویز پردوں ہی میں چھپا نہیں رہتا۔ بلکہ حسن کی سرکار سے محبت کا پیغام پہنچتا ہے اور کبھی محبوب کے روپ کے رنگین نظارے دل کی دُنیا کو اس کے انوار سے جگمگا دیتے ہیں۔ اس نظارے کی دلفریبیاں تیرے عمل کی آرائش پر منحصر ہیں۔ دِل کا آئینہ حسنِ عمل سے صاف کیا ہوگا تو اسی نسبت سے حسن کے پروردگار کی نور اور سرور میں گوندھی جھلک محوِ جمال رکھے گی۔ دولت و سلطنت کی لذت، لذتِ دیدار کے مقابلے میں کیا ہے!

چشمِ دُنیا دار نے محمدؐ رسول اللہ کو شاہانہ ٹھاٹھ میں نہ پا کر تعجب کیا۔ تخت و تاج تو جب محمدؐ کے غلاموں کے قدموں پر آ کے گرے۔ انہوں نے قبول نہ کئے، حسن و جمال کا کون شیفتہ ایسا نادان ہوگا جو محبوب کے جمالِ جہاں آرا سے نگاہ ہٹا کر اس کے زرنگار جوتے سے محبت کرنا شروع کر دے گا۔ جس نے صانع کو ہی اپنا بنا لیا، وہ مصنوعات کے پیچھے مارا مارا کیوں پھرے! یہ لعل و یاقوت کس کی صنعت کا حقیر سا نمونہ ہیں۔ یہ ملک و سلطنت کس کی ملک ہیں! پس اس کی راہ مقصود ہے اور اسی کی خوشنودی کی طلب چاہیے۔ یہ چیزیں تو ہیں ہی ان کی وراثت جو اس کے نیک بندے ہیں۔

اے مالک تو آ میرے کاشانۂ دل میں مسکراتا اور نور برساتا آ۔ میں جانتا ہوں کہ تجھے زر و جواہر کی ضرورت نہیں مگر میں ان کو پاس رکھ کر کیا کروں گا۔ تیرے راستے کی زینت ہو جائے تو اچھا۔ اگر تجھے ہی نہ پاؤں تو تخت و تاراج پر قناعت کر کے کیا کروں گا۔ مجھے زرنگار جوتے کی ضرورت نہیں۔ مجھے تو اے محبوب تو مطلوب

ہے۔ زرنگار پاپوش تو محبوب کے پاؤں میں ہی بھلے لگتے ہیں۔

اسلام عشق بازی نہیں بلکہ سرفروشی کا نام ہے

ہر مذہب کی زبان میں عبادت سے محض محبّت کا مفہوم لیا جاتا ہے اس لئے پریت کے گیت سے عشق کی سرشاریوں میں اضافہ کیا جاتا ہے، عباداتِ اسلامی میں محض محبّت ہی کی کارفرمائی نہیں ہے بلکہ حکم برداریوں میں پرجوش مجاہد کی طرح خاک اور خون کی بازی کھیلنے کے لئے ہر آن آمادہ رہنا پڑتا ہے۔ رنگین عشق اور خشک فرض کے امتزاج سے کامیاب زندگی کا حسین مرقع کھینچا گیا ہے۔ جس کے نظائرِ روح پرور سے جان و جگر نور اور سرور سے بھر جاتے ہیں۔

ہندو مذہب میں انعام یافتہ کی مثال پاکباز میراں کی ہے جو گردھر کی محبت کے غیر فانی راگ صبح و مسا گاتی اور مرلی دھر کی مرلی کے جانفزا نغمے دل کے کانوں سے سنتی ہے۔ رانی میراں بے خود ہو کر اچانک محلات کو چھوڑ دیتی ہے اور کرشن کی گوپی بنی شہر کے گلی کوچوں میں نور اور رنگ برساتی کرشن کے عشق کے میٹھے گیت گاتی ہوئی دلوں میں کرشن بھگتی کی جوت جگاتی جاتی ہے۔

اسلام میں انعام یافتہ لوگوں کا تصور اور ہے۔ وہ محبوب کی محبت میں آرام حرام کر لیتے ہیں۔ آدھی رات کو وہ خدا کی حمد اور تقدیس بیان کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ محبوب نے اپنے جلال و جمال کو چھپانے کے لئے صنعتوں کے جو دلفریب پردے روئے رنگین پہ ڈالے ہیں۔ ان میں سے جمال جہاں آرا

کی ہلکی سی جھلک دیکھ کر اس کی خیر و خوبی کا والہانہ اعتراف کرتے ہیں۔ کبھی اس کے تصوّر سے جھک جاتے ہیں! اور کبھی زمین پہ گر جاتے ہیں۔ ساری رات اسی طرح رکوع و سجود میں کاٹ دیتے ہیں۔ صبح ہوتے ہی اس کی خوشنودی کا رزق تلاش کرنے نکلتے ہیں۔ ایک پُرجوش مبلّغ کی طرح دنیا کے جھوٹے عشق کی گمراہیوں سے لوگوں کو بچاتے ہیں اور انہیں خدا کی سچّی محبت کی راہ پر لگاتے ہیں۔ ان کا دل اور دماغ، ہاتھ اور پاؤں، پروردگار کے حکموں کی تعمیل میں لگے رہتے ہیں۔ جب ذرا تھک جاتے ہیں تو نماز کے لئے لوٹ آتے ہیں تاکہ اس کی محبّت کے بہتے چشمے کے پُربہار کنارے پر ذرا سستا کر اور ہاتھ منہ دھو کر اسی کے نام کے چند میٹھے گیت آیاتِ قرآنی کی صورت میں گا کر تازہ دم ہولیں پھر منزلِ سفر پر روانہ ہو جائیں۔

اسلام میں اللہ کے عاشق کو کہیں قرار نہیں۔ وہ تھوڑی سی زندگی میں محبوب کی خوشنودئ مزاج کے لئے ایک نشایاں نشان تحفے کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔ اس طرح اس کا ہر عمل عبادت اور محبّت کا میٹھا راگ ہو جاتا ہے۔

مندرجہ بالا آیت پہیلیوں میں پہیلی ہے اور انبیاء کے عمل کا عنوان ہے رہبان نے مسلمان سے سوال کیا۔ تجھ میں مجھ میں کیا فرق ہے؟ کہا کہ عشق کے دعوے اور عمل کی دلیل کا، تو دودھ پینے والا مجنوں۔ میں خون دینے والا عاشق۔ تو زبان سے اللہ کا نام بلند کرتا ہے اور میں جان سے۔ تو عالمِ اسباب سے بھاگ کر خلوت تلاش کرتا ہے۔ میں اسباب کی تلاش میں خلوت سے نکل کر جلوت

میں آتا ہوں ۔ تو خدا کو گوشوں میں بلاتا ہے ۔ خدا تجھے میدان میں پکارتا ہے ۔ میں پریم کی بازی کھیلنے کے لئے سر ہتھیلی پر رکھ کر ہر روز اس کی گلی میں جاتا ہوں، شاید کسی مہم کے لئے وہ میرا سر قبول کرلے ۔

اگر کوئی تم سے پوچھے کہ انعام یافتہ کون ہیں؟ کہہ دو کہ جنہوں نے اس کی راہ میں اپنی زندگی دشوار کرلی ۔ چولھوں کی راکھ سر پر ڈلوائی ۔ پتھر کھائے ۔ زخم اٹھائے ۔ مگر زمانے میں اپاہجوں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہ بیٹھے ۔ بلکہ علم وعقل جسم وجان کو اسباب وقوت فراہم کرنے میں لگائے رکھا ۔ مبادا حق باطل سے دب جائے اور یوں حق کی رسوائی ہو ۔

وہ چڑیوں کو باز سے لڑانے ۔ زیردستوں کو زبردستوں سے ٹکرانے کا عزم لے کر اٹھتے ہیں ۔ وہ گرداب بلا میں اپنے بچاؤ کی نہیں سوچتے ۔ بلکہ جان کو جہاز سمجھ کر سب کا بوجھ خود اٹھا کر چلتے ہیں اور ساتھ ساتھ دعاؤں سے توفیق چاہتے ہیں کہ کسی طرح قوم کی کشتی سلامتی کے کنارے لگے ۔ قوم ساتھ چھوڑ کر عاجز کر دیتی ہے ۔ کوششوں اور کاوشوں کا مذاق اڑا کر کمرِ ہمت کو دوہرا کر دیتی ہے مگر وہ ذکر کی کثرت سے اس کے نام کے سہارے پر کام جاری رکھتے ہیں ۔

اے عزیز! انعام یافتہ لوگوں کی آخری نشانی یہ ہے کہ وہ ذکر اور عمل کے پلڑے عمر بھر برابر رکھتے ہیں ۔ انہوں نے یہ کبھی نہیں کیا ہوگا ۔ کہ ذکر وشغل میں لگے تو دنیا بھول گئے ۔ یا اولعزمیوں پر آئے تو مولا کو بسار دیا ۔ اب مسلمانوں میں معرکہ یہ آن پڑا ۔ کہ جو نمازی ہے وہ غازی نہیں ، جو غازی ہے وہ نمازی نہیں ۔ ذکر وعمل کو ترازو کی کانٹوں رکھنے والے انسان کالمعدوم ہیں ۔ اس لئے قوم کی کشتی ڈانواڈول ہے

جب قلبِ سلیم لے کر خدا کے حضور میں جانے والے لوگ کثرت سے قوم میں پیدا ہو جائیں تو دنیا کی ساری سربلندیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔ قلبِ سلیم کیا ہے؟ جسم کا کارکردگی سے چور چور ہو جانا اور اپنے اور بیگانے کے ہاتھوں زخم پہ زخم اٹھانا۔ لیکن حسنِ عمل سے باز نہ آنا اور خدا کی راہ میں ہر قسم کی ذلتیں اٹھا کر بھی دل کو اطمینان کی جنّت بنائے رکھنا۔ اے عزیز! انعام یا فتوں کا کوئی لمحہ بھی تو بیکار نہیں ہوتا۔ آرام دہ اور تکلّف کی چیزیں یا خود خدا اُن سے چھین لیتا ہے، یا وہ اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔ آرائش و آسائش کی جگہ وہ مشکل پسند ہو جاتے ہیں۔ نرم گدیلوں کی جگہ سخت کوشی اُن کی عادت ہو جاتی ہے لوگ روتے ہیں مگر وہ مسکراتے مرتے ہیں۔

تم نے ان بازیگروں کو دیکھا جو تماشائیوں کی حیرت میں اضافہ کرنے کے لئے پاؤں میں سینگ باندھ کر بانسوں سے بندھے اونچے رسّے پر کھڑے ہی نہیں ہو جاتے۔ بلکہ جسم کے وزن کو برابر رکھ کر آگے اور پیچھے چلتے ہیں۔ یہ ہوشیار تماشاگر رسّے کے درمیان ان ہی سینگوں پہ کھڑے کھڑے بے تکلف جھولا جھولتے ہیں۔ ان کے کرتب سے دیکھنے والوں کا دل دہل جاتا ہے۔ تھوڑی سی غفلت ہوئی جسم کسی طرف زیادہ جھکا۔ بس سر کے بل زمین پہ آ رہے۔

بس یہی حال مسلمان کا ہے۔ اس کی راہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ ذرا سی غفلت، تھوڑا سا ادھر اُدھر جھکاؤ اس کی محرومی کے لئے بس ہے۔ عشقِ الٰہی اور خدمتِ خلق کا وزن برابر رکھ کر چلنا ہی بڑی کامیابی ہے۔ گناہ تو گناہ کسی طرف طبیعت کا زیادہ جھکاؤ بھی خطرے سے خالی نہیں۔ اگر

دل ذکر و شغل کی طرف ہو جائے تو رک جاؤ یا خدا کی طرف رغبت کم ہو جائے تو خبردار ہو جاؤ۔ ذکر و شغل سے بے شک انسان جلدی مرجع خلائق ہو جاتا ہے مگر خلقت کے اس رجوع سے بچو۔ یہ نفس میں غرور پیدا کر کے ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے۔ اکثر شیطان تقویٰ اور عبادت کی راہوں سے نفس کو فریب دیتا ہے۔ تو انسان سمجھتا ہے کہ مجھے خدا کا قرب حاصل ہے لیکن فی الحقیقت وہ محبوب کے دل سے دور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی حقیقی راہ محض محبّت اور صرف عشقِ الٰہی نہیں بلکہ اس کی حکم برداری بھی ہے۔ عابد اور زاہد دودھ پینے والا مجنوں بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کا حکم بردار سپاہی نہیں رہتا جو خون کو خاک میں دیکھ کر خوش ہو۔

محبت میں زبان پر تالے پڑ جاتے ہیں۔ عشق الٰہی کی طرف ضرورت سے زیادہ رجحان بھی قوتِ گویائی کو سلب کر لیتا ہے۔ قولی عبادت سے انسان میں حق گوئی کی تلخی نہیں رہتی۔ اس میں مٹھاس ہی مٹھاس رہ جاتی ہے۔ پھر دنیا دار، سرمایہ دار اور اربابِ اقتدار کیڑے مکوڑوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ حالانکہ حق گوئی کی تلخی میں ہی حقیقی تشریح ہوتی ہے جو رحمت کے فرشتوں کو پسند ہے، ہاں حق کی تلخی کو شیریں زبانی سے کم کرنا قابلِ انعام ہے مگر اربابِ اختیار کی طغیانیوں کو دیکھ کر گونگے کا گڑ کھا لینا گونگے شیطان کا کام ہے۔ خالی عشقِ الٰہی کا دم بھرنے والا تھوتھا چنا باجے گھنا کا مصداق ہوتا ہے۔ قلب پر اللہ کے نام کی ضربیں لگا کر سرمایہ داروں پر اپنا رنگ جماتا ہے اور ان کی گندی کمائی کے ہاتھوں کو چاٹتا ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ اللہ مجھ پر مہربان ہے۔

خلقِ خدا کی خدمت میں مبالغہ اور انقلابِ حال کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشش اور کاوش تباہ کن نہیں۔ بشرطیکہ تعلق باللہ قائم رہے۔ بعض فرض نمازوں پر قناعت کر کے خدا سے تعلق قائم رکھتے ہیں۔ لیکن مخلوقِ خدا کی خدمت میں وہ انہماک، ملّت کے لئے وہ درد نصیب ہوتا ہے کہ عشق منہ دیکھتا رہ جاتا اور فرض تلوار مار کر واپس بھی آجاتا ہے۔ اسی لئے مذہبِ حق کے راز داروں نے عاشق کی بجائے خدا کا سپاہی بننا پسند کیا ہے۔ خدا کا سپاہی ادائیگی فرض میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا۔ نمازوں سے جان بھی نہیں چراتا لیکن قوم کی حفاظت کی تدبیر میں جان اجیرن کر لیتا ہے۔ ذکرِ الٰہی میں بیتاب رہنے والوں کی طرح گو وہ خواب اور بیداری میں بلایا نہیں جاتا۔ تاہم خدا اس کی محبت میں بے قرار رہتا ہے۔ لیکن خدا کا حکم بردار بندہ اپنی بے قراریوں اور خدا کے کاموں کی پاک مصروفیتوں کے باعث خدا کی بے قرار پکار کو نہیں سنتا۔ اس کو عمر بھر خبر نہیں ہوتی کہ جس کی طلب میں وہ مر رہا ہے وہ خود اس کی طلب کر رہا ہے۔ طالب مطلوب کی گود میں بیٹھا ہوتا ہے لیکن اپنی سرفرازی سے بے خبر۔ اگر اسے اپنے ایسے قرب کی اطلاع ہو تو اچانک خوشی سے مر جائے !

اے ہم نشین خبر کن کز جذبۂ محبّت
لیلیٰ شد است مجنوں مجنوں خبر نہ دارد

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ

(راستہ اُن لوگوں کا جن پر تیرا غضب ہُوا اور نہ اُن کا جو گمراہ ہوئے)

بے قابو زبان مغضوب کا اولین نشان ہے۔ شستہ مذاق اور لطیف اشاروں کا جواز ہے مگر اس میں بحد احتیاط چاہیئے۔ مبادا اُن کا رُخ شہوات کی طرف ہو جائے۔ ان صحبتوں سے بچو۔ پھکڑ بازی جہاں کا دستور ہے۔ لیکن بچّوں میں بچّہ بن کر کھیلنا سنّت نبوی ہے۔ یہ دِل کی پاکیزگی کو بڑھاتی ہے۔ دوستوں سے بے تکلف ہمکلامی جس میں کسی کی تحقیر نہ ہو مسلمان کی نشان ہے۔ اگر تمہیں مغضوب لوگوں کو دیکھنا ہو تو ان کو دیکھو جو ملتے ہی سلام کرنے کی بجائے گندی گالیوں کے گالے اڑا کر ایک دوسرے کا استقبال کرتے ہیں۔ فحش مذاق سے جن کے قلب کو تسکین ہوتی ہے۔

وہ حسن کی حقیقتوں سے اندھے ہوتے ہیں۔ پھُولوں کی رعنائی اور کلیوں کی زیبائی کو دیکھے بغیر گذر جاتے ہیں۔ وہ کیا جانیں کہ کس محبُوب کی محبّت میں سرشار ہو کر مور رنگین ناچ کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ کوئل سبز درختوں کی جھالروں میں چھپی کس حسین کے حسُن کے والہانہ نغمے سنا کر ایک عالم کو سرمست بنا رہی ہے۔ وہ صانع کی بے پایاں صنعتوں میں سے حسن انسانی کو شہوت رانی کے لئے انتخاب کرتا

ہے۔ وہ پھولوں کو شاخوں سے اس لئے توڑتا ہے کہ چٹکیوں سے مسل کر خاک میں ملا دے۔ بے قصور بی بیوں کی رعنائی و زیبائی کو مٹی میں ملا کر وہ اپنی کامرانیوں پر فخر کرتا ہے اور دوستوں سے اپنی ہوشیاری اور برائیوں میں قابلیت کی داد چاہتا ہے۔

مغضوب بیکاری میں آرام ڈھونڈتے ہیں یا دنیا کا آرام تلاش کرنے اور اپنے لئے اسباب آسائش مہیا کرنے کے لئے بے آرام رہتے ہیں۔ وہ قوم کی سربلندی کی تدابیر اور وسائل کی فراہمی پر کبھی توجہ نہیں دیتے بلکہ ان لوگوں کو ذلت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو نیک کاموں کے لئے اپنے آپ کو مشکلات میں ڈالتے ہیں۔ وہ اپنے مفاد پر دوسروں کے مفاد کو بے دریغ قربان کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی ساری عمر میں ذکرِ الٰہی کی نوبت نہیں آتی۔ ان کی صحبتوں میں کیا ہوتا ہے دوسروں کی بہو بیٹیوں پر الزام۔ بازارِ حسن کے چرچے۔ غیر مردانہ کھیلیں۔ سب سے اہم یہ کہ حقے کے کش اور شراب کے دَور۔ انہیں ان چیزوں سے کچھ لطف حاصل نہیں ہوتا جو زندگی کی حقیقی مسرت ہیں۔ پھول چھوڑ کر وہ کانٹوں میں اُلجھتے جائیں گے۔ پاک بیبیاں ان کے انتظار میں بیٹھی ہیں لیکن انہیں صحبتِ ہم جنس مرغوب ہے۔ اپنے رنگ محل کو ویران کر کے روحانی ویرانوں میں بسیرا کرنے والے اُلّو ہی مغضوب ہیں۔ اپنا خون بڑھانے کے لئے غریبوں کا خون چوسنے والی جونکیں۔ چند روزہ زندگی میں قوم سے غداری کر کے محلات تعمیر کرنے والے عاقبت نا اندیش لوگ خدا کے غصّے کا شکار ہونے والے ہیں۔

جب زندگی کا پھول بڑھاپے میں مرجھا جاتا ہے اور آنکھیں نورِ بصارت

سے محروم ہو جاتی ہیں تب وہ راہِ حقیقت کو دیکھنے لگتا ہے اور کبھی کبھی سوچتا ہے کہ عمر بھر وہ پھولوں کی بجائے جیب و دامن کو کانٹوں سے بھرتا رہا ہے لیکن فطرت ایسی مسخ ہو چکتی ہے کہ حقیقت جان کر بھی غلط راہ سے لوٹ نہیں آتا۔ اپنا سودا چک جانے پر دوسروں کا مال مستعار لے کر گناہ کی دکان چلاتا ہے۔

عبرت حسرت سے کہتی ہے اے ناعاقبت اندیش انسان! دیکھ بڑھاپے میں گرگِ ظالم بھی پرہیزگار ہو جاتا ہے لیکن تو نے گناہ کے کاروبار کے لئے ایجنسیاں کھول لی ہیں۔ حالانکہ حق یہ تھا کہ نیکی کے ادارے کھول کر فیض کے چشمے جاری کرتا۔ لیکن جب گناہوں پر جسارت ہو جائے تو انسان اپنے اوپر توبہ کے دروازے خود ہی بند کر لیتا ہے۔ بظاہر گناہ کی دلکش وادیوں کی طرف فی الحقیقت اپنی بربادیوں کی طرف بے خطر بڑھا چلا جاتا ہے۔ تا آنکہ فرشتۂ اجل موت کا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتا ہے اور وہ اپنے اردگرد دوزخ کی آگ کو بھڑکتے دیکھ کر گھبراتا ہے ___ گھگھی بندھ کر آنکھیں چھت کی طرف جا لگی ہوتی ہیں لیکن اب مہلت کہاں ہوتی ہے۔ کہ کوئی توبہ کر لے۔

ایسے ہوتے ہیں خدا کے مغضوب۔ مرتے مرجاتے ہیں مگر توبہ نہیں کرتے بلکہ بدگوئی، عیب جوئی، غریب پر ظلم، مال کی حرص اور دوسری قسم کے گناہوں کی رغبت اور برائی کا ذوق عمر کے ساتھ بڑھتا ہی جاتا ہے۔ انہیں راہِ حق میں زخم اٹھانے کی لذت حاصل نہیں ہوتی اور آرام لٹانے کا شوق عمر بھر نصیب نہیں ہوتا۔ وہ کیا جانیں کہ راہِ حق کی دشواریاں باغ بہشت کی رنگین بہاریں ہیں۔ بدنصیبوں کے نصیب کہاں کہ زخموں کے سنہرے پھولوں کا گلدستہ حسنِ حقیقی:

کے حضور میں نذرانہ گذار کر کہیں یہ پسندیدہ پھول تیری ہی راہ میں پائے اور بصد عجز و نیاز تیرے ہی حضور میں پیش کرتا ہوں۔

عمر کی کمائی اس راہ میں خرچ کر کے آئیں اور کوئی کریم مسکرا کر پوچھے کہ گھر میں کیا رکھ آئے ، وہ ہنس کر کہے کہ اللہ اور رسول ؐ کو۔ مگر یہ تو صدیقوں کا کام ہے مغضوب نوالے ٹ گنگا بہاتے ہیں۔ غریبوں کو لوٹ کر اپنے گھر کی آرائش کا سامان بناتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ یہ دولت میری ہمت کا حاصل اور میری عقل کی کارفرمائی ہے۔ اس لئے صرف میرے اور میرے لواحقین کی آرائش کے لئے خرچ ہونی چاہیئے ؛

کوزے میں دریا

انعام و غضب کی جن گہرائیوں کی طرف سورۂ فاتحہ کی آخری آیات میں مختصر اشارہ ہُوا۔ قرآن کریم میں اس کی تفصیل ہے۔ تفصیل کا مکمل خلاصہ آئندہ اوراق میں ملاحظہ ہو۔ کاریگروں نے کوہِ نور ہیرے کا دل اور جگر کاٹ چیر کر تاج کی زینت بنایا، سونا کھٹائی میں ڈال کر کندن کیا جاتا ہے۔ خدا آزمائشوں میں ڈال کر اس ذرۂ خاک انسان کو روشن آفتاب کر دینا چاہتا ہے۔ چند ایک کے سوا جو حمد و تقدیس میں ہیں۔ قرآن کی سب آیات انعام یافتہ اور مغضوب لوگوں کی دلنشین حکایات ہیں اور انعامِ الٰہی کا مستحق ہونے کے نیز بہدف نسخے یا پرہیز کی ہدایات ہیں۔ قرآن تو سارا نور اور لطافت کا دریا ہے اس کا ہر حصہ خزاں زدہ روح میں بہار پیدا کرتا ہے۔ لاجواب میں سے انتخاب کر کے کیسے کہوں یہ جانِ انتخاب ہے۔ اس لئے بغیر کسی خصوصی دعوے کے چند آیات پیش کرتا ہوں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا	اے ایمان والو! سود مت کھاؤ (یعنی
الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ص	نہ لو اصل سے) زائد دگر کے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ امید ہے کہ تم کامیاب ہو۔ (آل عمران ع ۱۴)

سونت سہیلی نہیں ہو سکتی۔ حرص اور ایمان اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ ایک دل میں دونوں کا نباہ محال ہے۔ یہ آئے گی وہ جائے گی۔ وہ جائے گی یہ آئے گی۔ جہاں اکٹھا رکھنے کی کوشش کی گئی۔ وہیں دولتِ دنیا نے سرمایۂ ایمان کو نیچے دبا لیا۔ جوں جوں سرمایہ پھیلتا ہے۔ توں توں ایمان کم ہوتا ہے۔ دونوں کیفیتیں جن پر گذری ہیں۔ ان سے پوچھ لو۔ یا جو سرمایہ دار ہیں اُن کے ایمان کو خود دیکھ پرکھ لو۔ دولت کی چھنالہ تو دل کے گھر میں آکر تگنی کا ناچ نچوا دیتی ہے اور آخر اسے شیطان کا چچا بنا کر چھوڑتی ہے۔

ایمان شریف گھر کی دُلہن، بھلا اس بیسوا سے برابر ہو کر کیسے لڑے اپنا چار کونے میں دبک کر بیٹھ کر رہ جاتی ہے۔ اور اس کے اللّے تللّوں کو چپ سادھے بیٹھی دیکھتی ہے۔ اس لئے اس آیت میں فراہمیٔ زر کی بدترین صورت سے ڈرایا۔ سود کڑوی بیل کی طرح بڑے بڑے بڑھتا ہے۔ لیکن دوسروں میں رمقِ حیات نہیں چھوڑتا۔ سود خوار غریبوں کا خُون چُوستا ہے۔ رحم سر پیٹ کر دل سے نکل جاتا ہے۔ سرمایہ کی بڑھوتی کے ساتھ حرص اور پاؤں پھیلاتی ہے سود خوار ہر عمل نفع اور نقصان کی ترازو پر تولتا ہے

جنگِ احد میں نبی کریمؐ کے حکم کے خلاف لوٹ کی لالچ میں اپنی جگہ چھوڑ جانے والے بھی سود خوار تھے۔ انہیں خدا کی راہ میں جان دینے کی بجائے غنیم کا مال اڑا لینے کا خیال تھا۔ ان کے اس لالچ نے نبیؐ برحق کو احد میں شکست دلوائی۔ دانت

شہید کروا کر نڈھال کر دیا۔ جنگِ احد کی شکست نے ثابت کر دیا کہ سود خواروں کا گروہ اسلام کی لڑائیاں نہیں جیت سکتا۔ انہیں حبِّ مال ان کی جانوں اور ایمانوں سے زیادہ ہوتی ہے ؎

ہم خدا خواہی و ہم دُنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

معترض مسلمانوں کو پہلے ہی دنیا کی مفلس ترین قوم سمجھ کر اس پر نظرِ حقارت ڈالتا ہے۔ ایسے حالات میں اسکے نزدیک ملّا کا یہ وعظ اونگھتی قوم کو اور افیون کھلا کر نیند کو موت بنا دینے کے مترادف ہے۔ معترض تو دیانتداری سے یہی کہے گا کہ گھر گھر دیوی کے درشن سے ہی مسلمانوں کی کایا پلٹ کر زندگی میں خوشگوار انقلاب آسکتا ہے۔ بخدا اگر مسلمانوں کے ہر گھر میں ہن برسے اور لکشمی دیوی کا سایہ مسلمانوں کے سروں پر ہندوؤں اور یہودیوں سے زیادہ دراز رہے تو بھی کہوں گا۔ دنیا آئی دین نہ آیا۔ دین کے بغیر دُنیا مسلمان لے کر کیا کرے گا۔ منبعِ دولت تو زندگی میں فعل ناثواب ہے۔ آخرت میں اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ کون متحمل ہو گا۔ بیشک امیر کی آنکھوں میں شراب چھلکتی ہے اور چہرے پر رنگ برستا ہے، مگر کبھی سوچا کہ یہ رنگ کسی اور غریب کے خون اور ہڈیوں کی کشید تو نہیں!

اے عزیز! یقین کرلے۔ امراء کی موٹروں کا دھوآں دراصل بے کسوں کی آہیں ہیں اور پٹرول مصیبت زدہ لوگوں کا ہی خون ہے۔ ایک بڑے زمیندار کے رنگ در روپ سے نکھرے بچّوں کو نہ دیکھو۔ بلکہ ارد گرد کاشتکاروں کے بچوں کی ہڈیوں کے ڈھانچوں کو دیکھو۔ روح جن کے جسم سے نکل جانے کے لئے بے قرار ہے۔ ان ہی

غریب بچوں کا خون امیر بچوں کا نکھار ہے۔ انسانوں کے خون سے سرمایہ دار گھروں کے نسوانی حسن کی افزائش کا غازہ تیار کیا جاتا ہے۔ دولتمندوں کی خوبصورتی قوم کے چہرے پر برص کا داغ ہے۔ برص کا داغ اپنی ذات میں خوب صورت ہے مگر جسم کے لئے بدنما دھبہ ہے۔

دنیا کی کسی مذہبی کتاب میں ذاتی ملکیت و دولت کی اتنی مذمت نہیں جتنی کہ قرآنِ حکیم میں ہے۔ یہی ایک واحد نکتہ معاملہ ان لوگوں کو قائل کرنے کے لیے کافی ہے۔ کہ قرآن کریم خدا کا کلام ہے۔ اس آیت میں سود کے ذریعے مالوں کا منافع لینے سے مسلمانوں کو منع کر دیا گیا! افسوس قوموں کے بعض افراد نے سرمایہ داری کی ہائو ہوس کر ادھر توجہ نہ کی اور نیکی کی پکار کو نہ سنا۔ یوں ذاتی جائیداد بنانے میں قوموں کی قسمت بگاڑ دی۔

اگر میں ہندوستان کی مثال بطور دلیل دوں۔ تو دلیل پر اعتراض وارد ہوں گے کیونکہ یہاں ملی جلی آبادی اور غلامی کی زندگی ہے! اسلامی ملکوں کے امراء اور سلاطین کو دیکھو کہ انہوں نے کس طرح ہم مذہب اور ہم نسل لوگوں کو غریبی اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے ان کے ابھرنے کی کوشش کرنا تو کجا ان پر خود ترقی کے دروازے بند کئے ہوئے ہیں۔ محض اپنی امارت اور سلطنت کے نشے میں سرشار ہیں اخوت اور مساواتِ اسلامی کی کوئی اپیل وہ نہیں سنتے۔

ابھی تیس برس کا عرصہ نہیں گذرا کہ سود خواری کی عالمگیر تحریک مسلمانوں میں شروع ہو گئی تھی۔ کہا یہ گیا تھا کہ سود کے بغیر فی زمانہ تجارت کا چلنا ممکن نہیں۔ سچ تھا بھی یہ کہ سرمایہ دارانہ نظام نے ملکوں کی منڈیوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ لیکن قدرت خدا کی

دیکھو جن ملکوں کے سودخواروں نے دنیا کا مال سمیٹ رکھا تھا ان ہی ملکوں میں امیری اور غریبی کے تفاوت نے مفلس کی زندگی حرام کر رکھی تھی۔ چند امراء کی عیش پسندیوں پر ساری قوم قربان کی جاتی۔ انگلینڈ اور فرانس کے غریبوں کا حال اسلامی ممالک کے مفلسوں سے زیادہ دردناک ہے۔ کیونکہ وہاں عیش پسند امراء کی تعداد زیادہ ہے اور غریب گھرانوں کی عورتوں کی عصمت کی تاک میں رہنا اُن کا خاص مشغلہ ہے۔ خدا کا کرنا دیکھا کہ سودخواری اور سرمایہ داری کے خلاف انہی سرمایہ دار ممالک کے غریب کی آواز روح فرسا چیخ بن کر اٹھی جس سے ہر ملک کے اہلِ ثروت کے دل دہل گئے۔

امراء اور رؤسا کے ستائے ہوئے روسی کسان اور مزدور نے تو ان اربابِ اقتدار کے خلاف قیامت بپا کر دی۔ لینن نے وہ صور پھونکا کہ سرمایہ دار مٹی میں مِل گیا اور غریب زندہ ہو گیا۔ سود ساری سُرخ مملکت میں حرام قرار پا گیا۔ آج ان کی زبانیں بھی بند ہو گئیں۔ جو مسلمانوں میں سود کی لعنت کو رواج دینا چاہتے تھے۔ طعنہ دینے والے تو طعنہ دیتے رہیں گے۔ کارل مارکس اور لینن کی دماغی اور مادی فتوحات کو دیکھ کر مسلمانوں نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ اسلام میں سود حرام ہے اور اس میں ذاتی سرمایہ داری کی کوئی گنجائش نہیں۔ مطعون کرنے والوں کی زبان کون روکے۔ پہلے تو اسلام کے خلاف اعتراض ہی یہی تھا۔ کہ اس مذہب کی گاڑی اس لئے رُکی ہوئی ہے کہ اس میں سود اور سرمایہ داری حرام ہے اور ملّا ہمیشہ مال کی طمع کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔ اب اُلٹے اعتراض ہونے لگے!

سچا مسلمان ان سب اعتراضات سے بے نیاز ہے۔ وہ قرآن کی تعلیم کو پاک سمجھتا ہے۔ اور اپنی قوم کے امراء پر افسوس کرتا ہے جن کی ساری عمر غریب مسلمانوں کی بربادی میں گزری۔ کیا کسی زمیندار مسلمان کو خیال آیا کہ میرے کاشت کار مسلمان ہیں۔ آئے دن کے مطالبوں سے مجھے ان کی زندگی تلخ نہیں کرنی چاہئے۔ امراء کا مذہب ان کے بکس میں بند رہتا ہے۔ وہ اسے ضرورت کے وقت نکالتے ہیں اور پھر بند کر رکھتے ہیں۔ انہی لوگوں کے تیرہ سو سالہ طرزِ عمل نے دنیا کو یہ بھی مغالطہ دے رکھا ہے کہ اسلام سرمایہ داری کے نظام کا معاون ہے حالانکہ سچ یہ ہے کہ ...... کی مالی لحاظ سے مساویانہ اور منصفانہ حکومت کے بعد سرمایہ داروں اور ان کے ہوشیار ایجنٹوں نے اسلام کے عادلانہ نظام پر قابو پالیا۔ اور اس اخوت کے مذہب میں شہنشاہیت کو رواج دے دیا۔ اس میں اسلام کا کیا قصور ہے۔ سب ہی ملک اور مذہب سرمایہ داروں کے نوحہ خواں ہیں۔ چند حرص کے بندے دوسروں سے زیادہ سرمایہ فراہم کر کے تیندوے کے تاروں کی طرح سنہرے جال میں غریبوں کو پھنساتے ہیں اور ان کا خون نچوڑنے کے لئے غریبوں ہی میں سے چند ایجنٹ مہیا کر لیتے ہیں۔ بیشک مسلمان امراء نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ یہ آیات اس طرف اشارہ ہیں آج جس طرح مزدور اور کسان ان کے ہاتھوں زندگی انگاروں پر لوٹ کر کاٹتے ہیں۔ یہ آنے والی زندگی جہنم میں جل کر کاٹیں گے۔ بروئے حکمِ قرآن سود خوروں اور کافروں کا درجہ ایک ہی ہے خواہ وہ کلمہ ہی کیوں نہ پڑھیں اور ماتھے پر نمازوں سے نشان ہی کیوں نہ بنا لیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ سود ہی کی یہ سزا ہے یا سرمایہ داری کی اور صورتوں کو بھی

ممنوع قرار دیا ہے؟ اے عزیز! ممنوع تو بڑا ملائم لفظ ہے۔ جمع مال کی سزا تو جان و جگر کے ٹکڑے کر دینے والی گرج ہے۔ دولتِ دُنیا کو ٹھکرا دینا ہی نیکی کی طرف پہلا قدم ہے۔ ہمّت سے کماؤ مگر اسے فوراً خدا کی راہ میں لگاؤ۔ فوراً غریب بھائی کی مدد کر دیا صدقہ جاریہ قائم کرو۔ مال کی محبت یا فضول خرچی دونوں دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ہیں۔ سُنو قرآن مجید نے کیا فرمایا ہے اور اسی کی روشنی میں راہ ڈھونڈو:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔	اے ایمان والو! بہت سے احبار و رہبان تو لوگوں کا مال فریب سے کھا رہے ہیں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روک رہے ہیں اور (جو) لوگ سونا اور چاندی گاڑ کر رکھتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے سو ان کو عذابِ الیم کا مژدہ سُنا دو۔
(پ ۱۰ - ع ۱۱)	

شریروں کی عقل ایمان کو شبہ میں ڈالتی ہے اور ہمیشہ سوال کرتی ہے کہ صحابہ میں بھی حضرت عثمانؓ امیر تھے لیکن کسی نے سُنا کہ حضرت عثمانؓ کا کوئی محل ایوان نہ سہی، کوئی پختہ مکان ہو۔ دس بیس پہرے دار نہ سہی، ایک آدھ دربان ہو۔ زندگی میں جو کمایا وہ اپنے نبیؐ کے قدموں میں لا گرایا۔ جب خود خلیفہ ہوئے تو باوجود سلطنت اور حکومت کے کوئی خدمت گزار نہ رکھا۔ مبادا کوئی کہہ دے کہ خلیفہ اور عام مسلمانوں میں رعایا اور سلطان کا فرق ہے۔ خوب کمانا اور خوب راہِ مولا میں لگانا ان کے دل

کی خوشی اور قلب کا اطمینان تھا۔ باقی تین خلفاؓ کے گھر میں تو تھا ہی اللہ رسولؐ کا نام۔ انہیں بجز خدمتِ دین کے کام ہی کیا تھا۔ باپ دادا کی کمائی بھی اسی راہ میں لٹائی تھی۔ آج امراء کو محمدؐ کا کلمہ پڑھتے اور عیش کی زندگی بسر کرتے شرم نہیں آتی؛ نبیؐ کے گھر میں باوجود ملک فتح کرنے کے فاقے گزریں اور یہ بیکار بیٹھے دادِ عیش دیں اور مزدوروں اور کسانوں کی کمائی کو بے دردی سے لوٹیں۔ بنکوں میں روپیہ پڑا ہؤا اور ہمسایہ بغیر دوائی کے مر رہا ہو، اس کے گھر میں قسم قسم کے کھانے پکیں۔ قوم بھی فاقے کر رہا ہو۔ نوکروں کی عمریں گھر میں ان کی خدمت کرتے گزریں مگر مجال کیا کبھی ایک دستر خوان پر بٹھا کر انہیں محبت سے کھانا کھلایا ہو، حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ ہمارے آقا اور ان کے اصحاب تو غلام کو بھی وہی کھلاتے جو خود کھاتے تھے، وہی پہناتے جو خود پہنتے تھے۔

ایک دفعہ خلیفہ عمرؓ نے کسی کی دعوت قبول کر لی مگر اس کے نوکروں کو دستر خوان پر بیٹھا نہ پایا۔ صاحبِ خانہ کو ملامت کی اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ ان دنوں کون اپنے ملازموں کو ساتھ بٹھانا پسند کرتا ہے اور یہاں اسلام کے دعوے میں کوئی کسی سے پیچھے رہنا نہیں چاہتا۔ لیکن امیر، غریب مسلمان کو برابر کا بھائی نہیں سمجھتا۔ یہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ انسان کسبِ معاش کو اپنی عقل کا کرشمہ جانتا ہے اور قیاس کرتا ہے کہ میرے زورِ بازو نے رزق کے دروازے کھولے ہیں اور میں عیش و آرام کا مستحق ہوں۔ قوت و عقل کے ان دعویداروں کی کم فہمی دیکھو کہ وہ غور نہیں کرتے کہ عقل و قوت کا شکرانہ حاملِ عقل و قوت کو خدا کے سادہ اور کمزور بندوں میں بانٹ دینے میں ہے یا خود گلچھرے اڑانے میں:

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِھِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَھُمْ فِیْہِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَۃِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ ؁

اور اللہ ہی نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر روزی میں فضیلت دی ہے۔ پھر جن کو فضیلت دی گئی ہے وہ کیوں اپنی روزی کو اپنے غلاموں کو نہیں دے ڈالتے تاکہ پھر وہ ان کے برابر ہو جائیں۔ پھر کیا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔

غرض کسبِ معاش میں فضیلت برابر کی بانٹ کی ضد نہیں بلکہ مالک خدا کا منشا یہی ہے کہ سب اپنی عقل وقوّت کے مطابق کماؤ اور بنی نوع انسان کو کنبہ سمجھ کر اخوّت ومساوات کی بنا پر کھلاؤ۔ یہ عقل وقوّت کس کی بخشی ہوئی ہے؟ خدا کی۔ پھر تم نے خدا کا حکم اوپر سُنا۔ اب اور سُن لو:

وَیَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ط کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ ؁

اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہو کہ جو کچھ حاجت سے بڑھ کر ہے۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے کھول کر باتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم فکر کرو۔

تاہم عقل میں میخ نکالنے سے باز نہیں آتی۔ امراء کو پانچ ہزار خرچ کر کے بھی تنگدستی کی شکایت ہے۔ عقل فضول خرچیوں کی حمایت کرتی ہے کہ امیرانہ ٹھاٹھ کے بغیر دنیا کا دھندہ کیونکر چلے؟ سرکار دربار کے لوگ ملنے آئیں تو جگہ کہاں پائیں! دسترخوان پر چودہ کھانے اور دس چٹنیاں نہ ہوں تو زندگی کا لطف کرکرا ہو جائے۔ انہیں تو دنیا کے درباروں میں عزّت چاہئے۔ خدا کی درگاہ سے خواہ محروم رہیں۔

پاک محمدؐ کے ہم پلید نام لیوا اپنے نبیؐ کی سادہ زندگی کے باوجود تکلفات میں مبتلا ہیں۔ انھوں نے فاقے اٹھا کر دن رات جہاد کیا۔ ہم نے بسیار خوری کے باعث ڈاکٹروں کا گھر بھرا۔ اہل زر کو علم تو سب کچھ ہے مگر اس علم کے مطابق عمل کرنیکی توفیق نہیں۔ اصحاب رسولؐ میں سے ایک صحابی نے کہیں پختہ مکان بنالیا۔ حضورؐ نے اس سے منہ پھیر لیا اور جب تک وہ صحابی پختہ مکان گرا کر نہ آئے نبیؐ برحق نے بات تک نہ کی۔ اب امراء چھوڑ علماء وصوفیا کے محل بنے ہیں۔ ارد گرد غریب مسلمانوں کے کچے مکان ہیں اور غریبوں کی بہو بیٹیوں پر برابر نظریں پڑتی ہیں۔ انہیں ان ایوانات اور اُونچے مکانات کے باعث غریب بیبیوں کو دن بھر امراء وصوفیاء اور حکماء کی نگاہوں سے کہیں جائے پناہ نہیں۔ ان اخوت و مساوات کے خلاف مظاہروں کے باوجود یہ لوگ مسلمانوں کے ادبار کی وجوہات تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ پہلے بھی مذاق کے طور پر امراء ایسے سوالات کرتے تھے اب بھی یہی حرکتیں جاری ہیں ورنہ قرآن کے حکم سے کون بے خبر ہے!!

آیاتِ زیرِ نظر میں صرف سود خوروں ہی کو عاقبت کی بربادی کی اطلاع نہیں دی گئی۔ بلکہ امراء تو الگ رہے غرباء کو بھی آمادہ کیا گیا کہ تنگ دستی کے باوجود کچھ نہ کچھ اللہ کی راہ میں دو۔ اے عزیز! اللہ کی راہ میں جو دیا جاتا ہے وہ دُگنا نہیں دس گُنا ہو کر واپس آتا ہے۔ قوم میں خوشحالی بڑھتی ہے۔ علم اور عقل کی ترقی ہوتی ہے۔ اسبابِ جنگ فراہم ہو کر آزادی برقرار رہتی ہے۔ یہ سب کچھ تب ہے جب بیت المال کی اسکیم موجود ہو۔ یعنی قوم کا مشترکہ فنڈ ہو جو حاجاتِ ملّت رفع کرنے پر صرف ہو۔ اشخاص غریب ہوں لیکن ملّت کی مالی حالت مضبوط ہو۔ لوگ اب زکوٰۃ دیتے ہیں۔

مگر ذاتی امارت کے اظہار کے لئے ہر روز سائل ان کے دروازے پر آتے ہیں۔ بڑی ذِلّت اور خواری کے بعد ایک پیسہ پاکر لوٹ جاتے ہیں۔

میں نے امرت سر میں ایک امیر کو دیکھا کہ جمعرات کی صبح سائلوں کی بھیڑ اس کی دکانِ تجارت پر لگ جاتی تھی۔ بہت دن چڑھے حضرت آتے اور دھیلا دھیلا دیکر خدا پر احسان کر جاتے۔ ایسی صورتیں درست نہیں۔ بیت المال کے بغیر غریب امیر کا غلام ہو کر رہ گیا ہے۔ امراء کو بیت المال بنانے کی حاجت نہیں غریبوں میں کوئی لیڈر نہیں جو رسولِ عربیؐ کی پیروی میں غریبوں کا نظامِ دُنیا چلائے اور ملّت کو امیروں سے بچا کر انہیں آئے دن کی ذِلتوں سے نجات دلائے۔

سب قوموں کے غریب منظّم ہو رہے ہیں لیکن مسلمان کا غریب طبقہ بعید غیر منظّم ہے اور چند امراء نے ان کی زندگیوں پر شیطان کی طرح قبضہ پایا ہُوا ہے۔ اسلام کے اصولِ اخوّت و مساوات کو پاؤں تلے روند کر امارت و سرمایہ داری کو رواج دے رکھا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اسلام کا منشاء یہ ہے کہ ملّت میں مالی مساوات قائم کر کے قوم میں اخوّت کی رُوح بیدار کی جائے۔ قوم میں امراء کا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ قوم کو گھن لگ گیا ہے اسی لئے حضرت عمرؓ ان گورنروں کی جائیدادیں بحق سرکار ضبط کر لیتے تھے جن پر جمعِ مال کا شُبہ ہوتا تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ مال بددیانتی سے جمع کیا ہو۔ نہیں بلکہ جائز ذرائع سے جمع شدہ مال بھی بیت المال میں داخل کر لیا جاتا تھا۔ فوج کے سردار اور صُوبوں کے گورنر امارت پسند آدمی ہمیشہ قرونِ اُولیٰ میں ناپسند کئے گئے۔ جہاں اُنہوں نے اپنے لئے محل تیار کرائے وہیں آگ لگا دی گئی تاکہ قوم میں سرمایہ داری راہ نہ پائے۔ افسوس شام کی گورنری کے معاملے میں تھوڑی

سی سیاسی رازداری برتی گئی وہیں سے سرمایہ داری کا سانپ مساوات کی اسلامی بہشت میں گھس آیا۔

حضرت عمرؓ تو اچانک شہید ہو گئے انہوں نے تو امیر معاویہؓ سے بازپرس شروع کردی تھی۔ حضرت عمرؓ کے شہید ہوتے ہی سرمایہ داری کے مارِ آستین نے سر نکالا اور رُوحِ اسلامی کو ڈس لیا۔ حکومت کا اسلامی نظام جو اخوت اور مساوات پر قائم تھا ۳۰ برس کے اندر اندر بدل دیا گیا۔ غریب مسلمانوں کے سروں پر سرمایہ داری اور شہنشاہیت مسلط کردی گئی حالاں کہ یہ دین شہنشاہیت اور سرمایہ داری کے برپا کردہ فتنوں سے غلام اور غریب قوموں کو بچانے آیا تھا آج ان وجاہت پسندوں کے ہاتھوں دُنیائے اسلام کی درگت دیکھ لو۔ مسلمانوں میں لامرکزیت قائم ہے۔ مُلک مُلک میں چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم ہیں۔ محلات میں دادِ عیش دی جارہی ہے کوئی پُوچھنے والا نہیں کہ یہ زندگی نبی کریمؐ کے اتباع میں ہے یا حضرت ابوبکرؓ، عثمانؓ اور حیدرؓ کی مثال کی پیروی ہے ہر اسلامی ملک کا بادشاہ مُرغی کی طرح چند مسلمانوں کو اپنے پروں کے نیچے دبائے بیٹھا ہے۔ ہر چند ملتِ اسلامیہ کا شمار [1] کروڑ بتایا جاتا ہے لیکن اقتدار پسندوں نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے۔ مسلمان ممالک اب عیسائی حکومتوں کی جاگیر داد ہیں۔ ان میں سے جو چاہے ایک دُوسرے کو شکست دے کر مسلمان ملکوں پر قبضہ پالے، اگر افغانستان، ایران، مصر، ٹرکی، عرب اور شام کسی ایک مرکز کے تابع ہوتے تو دُنیا کی دولت اور سلطنت انہی کے گھر کی لونڈیاں ہوتیں۔ اب حال یہ ہے کہ خود عیسائیوں کے غلام ہیں اور اسی پر خوش اور قانع ہیں کیونکہ ان امراء کے عیش میں فرق نہیں۔ چند

[1] ب ستر، اسی کروڑ

اُونچے طبقے کے مسلمانوں کو خوش رکھ کر ساری اسلامی دُنیا کو طوق و زنجیر میں جکڑ کر رکھنے کا عیسائیوں کو آسان ڈھنگ آگیا ہے، صدیوں سے مسلمان عوام کی مٹی پلید ہو رہی ہے۔ ایشیا اور افریقہ کے مسلمان زِندگی سے تنگ ہیں اور امراء بہار لوٹ رہے ہیں۔

بر حق تعلیم کی حامل کتاب نے تو جگہ جگہ سرمایہ اور اقتدار کی تباہ کاریوں کا ذکر کر کے مکمل مساوات کی زندگی بسر کرنے کو دنیا و آخرت کی سُرخروئی قرار دیا۔ اگر کوئی نہ مانے اور نہ سمجھے اور اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑا مارنا چلا جائے تو اس کی عقل کو مصیبت کی آگ نہ جلائے تو اور کیا ہو!

اعلیٰ طبقے کے لوگ کبھی عوام کے وفادار نہیں ہوتے۔ اب اسی جنگ[1] میں دیکھ لو، جس ملک نے جرمنی کے سامنے ہتھیار ڈالے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ وہاں کے امراء نے جرمنی کی شکست میں رُوس کی فتح دیکھی روس کی فتح تو سرمایہ داروں کی کھلی موت ہے۔ اس لئے اس اندیشے سے کہ مبادا ملک میں روس کا سا نظام جگہ پا جائے۔ جرمنی کی غلامی قبول کر لی تاکہ اپنے آرام میں خلل اور عیش میں فرق نہ آئے اور غریب کہیں ان کی برابری کا دعویٰ نہ کر بیٹھے۔

آیاتِ زیرِ نظر میں جو سُود کی حُرمت اور تنگی اور فراخی میں مال اللہ کی راہ میں لگا دینے کا حکم ہے۔ وہ قومی اور جماعتی مفاد کو مدِّ نظر رکھ کر ہے۔ نبی کریمؐ کی تعلیم مساوات کے بعد سب قوموں نے اپنے اپنے ملک میں امیر اور غریب کا امتیاز قائم رکھ کر آرام نہ پایا۔ ناچار دُنیا مساواتِ اسلامی پر عمل کرنے کے سوا چارۂ کار نہیں پاتی۔ گو منہ سے اسلام کی سچّائی کو قبول نہیں کرتی تاہم اس کے سچّے اصولوں کی پیروی کے بغیر متمدّن قوموں کو کہیں امن نصیب نہیں۔ بعض ممالک میں کامل مساوات کا قانون رائج

ہے۔ بعض حِقوں میں امیر غریب کا امتیاز ہر ممکن طریقے سے کم کیا جارہا ہے۔ پس اسلامی ملک ہیں جہاں دُنیا ڈھوروں کی طرح جاہل رکھی گئی ہے محض امراء کو آسائش کا سامان مہیّا ہے۔ مسلمان کس منہ سے دنیا کے ممالک کو دعوتِ اسلام دیں۔ جس مساوات کو تم بجا طور پر دنیا کی مصیبتوں کا مداوا اب کہہ رہے ہو۔ وہ اسلام کے سچے مذہب میں تو پہلے سے موجود ہے لیکن کوئی کسی کی کتابوں کو کب دیکھتا ہے۔ ہر کوئی پھل سے درخت کو پہچانتا ہے اور ہمارے عمل کا پھل ہماری تعلیم کے درخت سے جدا ہے۔ آم کے درخت کو حنظل لگا ہے۔ مسلمان امرائنے جو غریب مسلمانوں کی مٹی پلید کر رکھی ہے وہ ظاہر ہے اہلِ درد اور اہلِ انصاف کے لئے جو غریبوں کو سربلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان مسلمان امراء کے باعث اسلام اب باعثِ کشش نہیں رہا۔ وہی ذات پات کا جھنجھٹ، وہی غریب پر امیر کی ظالمانہ حکومت!

ہندوستان میں اخوّت و مساوات کی بنا پر ہندو اور مسلمانوں میں جماعتیں بن رہی ہیں جن کے پشتیبان امراء ہیں لیکن اِن کے نئے نظر فریب پروپاگنڈے کی تہ میں امرا کی رہنمائی میں غریب کو منظم کرنا ہے۔

کیا بھیڑوں پر بھیڑیوں کی رکھوالی کر کے کوئی مطمئن ہو سکتا ہے! ان کی تعلیم کے پردوں میں غریب کی دشمنی چھپی ہے۔ غریب اہلِ علم و دین کی تحقیر۔ غریب سیاسی کارکنوں اور جماعتوں کے خلاف چندہ خوری کا الزام۔ غرض و غایت یہ کہ عوام کی لیڈری ان لوگوں کے سپرد رہے جنہیں گھر سے کھانے اور خرچ کرنے کا دعویٰ ہے۔ دلیل یہ ہوتی ہے کہ یہ غریبوں کے بچے لیڈری پیشہ اس لئے بناتے ہیں تاکہ حلوا مانڈا چلے۔ افلاس عقل کو کھو دینے والی چیز ہے۔ مفلس کمال سادگی سے اس فریب میں آجاتا

ہے۔ وہ غریب کارکنوں کی نیت اور دیانت پر شبہ کرنے لگتا ہے نہیں سمجھتا یہ پروپاگنڈا اور دلیل درحقیقت اس کے لئے گالی ہے کیونکہ وہی تو غریب ہے۔ اس پرامیر کی حکومت قائم و دائم رکھنے کے لئے یہ سرمایہ دارانہ دلیل ہے۔

ایک دفعہ حکومت کے ایک مرحوم سر نے جو کامیاب وکیل تھے ایک جلسے میں ایسی ہی بے سروپا بات کہہ دی کہ ہم چندہ دینے والے اور ہمارے سیاسی حریف چندہ کھانے والے۔ یہ سیاسیات ہند میں ہمارا لگا کیا کھا سکتے ہیں۔ میں ہی اس جلسے میں اپنی غریب[1] جماعت کی نمائندگی کر رہا تھا۔ جوانی میں جوشِ عقل سے دو چار ہاتھ آگے ہی چلتا ہے۔ میں بھڑک اٹھا لیکن غریب پر امیر کی پھبتی معقول تھی۔ مجمع امراء کا تھا۔ تالیوں کا تانتا بندھ گیا۔ زیادہ محتاط لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا کے بدمزگی کو کم کرایا۔ دوسرے دن میں نے ایک اور نائٹ سے شکایت کی کہ یُوں مشترکہ مجلسوں میں دل آزاریاں ٹھیک نہیں۔ یہ صاحب ذِفت کی ضرورتوں کے لحاظ سے ملک کی اسلامی جماعتوں میں فوری صلح کے خواہاں تھے۔ نہایت چجی تُلی بات کہنے کے عادی تھے۔ میری کہانی پر قہقہہ لگایا اور کہا کہ کوئی ہے جو یہ کہہ سکے کہ میں پبلک چندے پر پرورش نہیں پاتا۔ میں جو پانچہزار تنخواہ پاتا ہوں، وہ جو پندرہ ہزار کی آمدنی کا مدعی ہے دونوں پبلک چندوں ہی سے عیش اڑا رہے ہیں۔ میری تنخواہ بھی پبلک چندہ مگر حکومت کے زور سے وصول شدہ اس کی وکالت کی آمدنی گناہ کا ثمر یعنی مصیبت میں مبتلا اور مقدمات میں اُلجھے ہوئے لوگوں کا مجبوری دیا ہُوا روپیہ۔ ہم دونوں

---

[1] احرار اسلام مراد ہے۔

سے وہ لوگ مبارک ہیں ۔ جو لوگوں سے ان کی خوشی سے چندہ لے کر کھاتے اور کام کرتے ہیں۔ یہ طعنے تو عقل کی کمزوری کی دلیل ہیں۔ ماں کے پیٹ سے دولت کی بند مٹھی لے کر کون آیا۔ جس نے جو کمایا پبلک ہی کا عطیہ ہے اس میں شاہ وگدا یکساں ہیں۔ تعجب ہے کہ غریبوں کی حامی جماعت سے متعلق ہو کر امراء کی بودی دلیل کا قوی رد نہیں جانتے۔"

اس تقریر سے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ دل کی کئی گتھیاں سُلجھ گئی ہیں، طبیعت کو تسکین ہوئی کہ تیرا غصہ بیکار ہے۔ زنا لو یافتہ اور امراء اپنے مفاد کے حق میں قیامت تک دلائل پیدا کرتے رہیں گے۔ دین اور دُنیا کی بڑی خدمت یہ ہے کہ غرباء اور عوام کو مساوات کے اصول پر منظم کیا جائے تاکہ ان میں برابری کا جذبہ پیدا ہو اور وہ طبعی اور اسلامی تقاضوں کے مطابق ایک عادلانہ نظام پیدا کریں جس میں امیر وغریب کا امتیاز اُٹھ جائے۔ حالات کے مطابق بیت المال سب کی ضرورتوں کی کفالت کر سکے۔

یورپ اور امریکہ کے اہلِ علم تو اب کہنے لگے ہیں کہ امراء جنگ کے بھگوڑے اور قوم کو منجدھار میں چھوڑ کر چلے جانے والے ہیں لیکن ساڑھے تیرہ صدیاں گزریں جنگِ اُحد کے واقعات کی طرف اشارہ کر کے ان آیات کے ذریعے قرآن نے ندائے عام دی کہ سُود سے بچو۔ اور تنگی اور فراخی میں مال خدا کی راہ میں لگاؤ۔ ورنہ شکست کا منہ دیکھو کیونکہ اربابِ زر سے قربانی کی توقع چیل کے گھونسلے میں ماس کی تلاش کرنے کے برابر ہے۔ دیکھا نہیں کہ انگلستان کے امراء اس جنگ میں خود نہیں جا رہے ہیں اور اپنے بال بچوں کو دھڑا دھڑ محفوظ ممالک میں بھیج رہے ہیں

اور صرف غریب خاندان آگ اُگلنے والی توپوں اور ہلاکت برسانے والے ہوائی جہازوں کا شکار بننے کے لئے ملک میں موجود رہیں۔ یہی کیفیت بلجیم، ہالینڈ اور فرانس کے امرأ کی تھی۔ سچ یہ ہے کہ جب دھن آتا ہے مرنے کی دُھن جاتی رہتی ہے ؎

پریم پیالہ وہ پئے جو سیس دکھشنا دے
لوبھی سیس نہ دے سکے اور نام پریم کا لے

(۲)

اسلام فلسفۂ عمل ہے۔ عمل میں جو حارج ہو وہ حرام ہے۔ دولت، راگ و رنگ ہر چند زندگی کا رنگ راگ ہیں مگر ان کے رنگین دھوکے سے نکل بھاگنے کا حکم ہے۔ مبادا اقوائے عمل کمزور ہو کر طبیعتیں غلامی پر قانع ہو جائیں۔ اسلام جنگی ذہنیت پیدا کرنے کو مدارِ نجات سمجھتا ہے کیونکہ سپاہی قوم اکثر آلودگیوں سے الگ رہتی ہے۔ آزاد قوم عمدہ خصائص کی حامل ہوتی ہے۔ سچا سپاہی بڑا بُردبار ہوتا ہے۔ بات بات پر غصّہ کرنا ضعفِ جگر و دل کی دلیل ہے۔ جس کے دل و جگر کمزور ہیں وہ بے جگری سے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے حکم ہُوا کہ غصّے پر فتح پانا عبادت ہے اس کے بغیر قوم میں ڈسپلن پیدا نہیں ہو سکتا۔ پاک محمدؐ نے طبیعت کے صبر و سکون سے پُرامن اور محبت پیار سے بسر کرنیوالی قوم پیدا کر دی۔ عفو اُن کا دستورِ زندگی تھا لیکن اصول کے لئے کٹ مرنا اُن کی خواہش تھی۔

اس زمانے میں بھی مسلمانوں کے بعض علاقے بڑے بہادر ہیں مگر بات بات پر کٹ مرنے کو معراجِ زندگی سمجھتے ہیں۔ ایسی غیر اسلامی غیرت خدا کو منظور نہیں۔

سُن لو اللہ کو تو وہ پیارے ہیں جو غصّے کو تھوک دیں۔ لوگوں کی غلطیوں کو معاف کر دیں۔ یہی نہیں بلکہ غلط کاروں کو پیار کا پیغام دیں اور محبت اور خدمت سے ان کا دل موہ لیں

تمہیں کیا بتائیں۔ عزیز مال کا منہ نہ کرنے والے، غصّے کو ضبط کرنے والے، خطاؤں کو بخش دینے والے، بُروں سے بھلائی کرنے والے خُدا کو کتنے محبوب ہیں! ایسے لوگ اہلِ دنیا کے لئے ہی باعثِ رحمت اور دوستوں کی آنکھوں کی جنّت ہی نہیں ہوتے بلکہ مخلوق ہو کر خالق کے محبوب بن جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی سچّی کہانیوں سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ ان لوگوں کی زندگی کے حالات۔ درد بھرے گیت کی طرح تڑپا دینے والے ہوتے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ عمر بھر سُنتے ہی چلے جائیں۔ یہ لوگ جن سے ہر دفعہ ذلّتیں اٹھاتے ہیں، انہیں نہ صرف معاف کرتے چلے جاتے ہیں بلکہ ان کے پسینے کی جگہ اپنا خُون بہاتے ہیں۔ خدا ان کے اس حال اور ان کے اس روحانی کمال کو دیکھ کر ان پر پیار کی نگاہیں ڈالتا ہے اور انہیں خود محسوس ہوتا ہے کہ ان کی کشتیٔ حیات رنگین گلزاروں اور خوشگوار نظاروں کے بیچوں بیچ بل پیچ کھا کر گزرنے والی دریا کی پُرامن سطح پر دھیرے دھیرے چلی جا رہی ہے بظاہر ان کی جان پر عذاب آیا نظر آتا ہے لیکن رُوح میں جنّت کا سا اطمینان پایا جاتا ہے۔ بڑے سے بڑے ابتلا میں بھی لبوں پر رُوحانی تبسّم کھیلتا ہے، اس کے قلب کا نُور دِلوں میں سرُور پیدا کرتا ہے۔ کیا بات ہے اس شخص کی جس کی زندگی کا عمل محبّت کا میٹھا راگ ہے خود خدا جس کے نغمۂ شیریں کو توجّہ کے کان سے سنتا ہے اور بیتاب ہو کر اسے محبوب کے نام سے پکارتا ہے۔

تم اس پاکیزہ اشارے کو سمجھو کہ اللہ کس سے محبّت کرتا ہے۔ کسی غریب سے کوئی بڑا آدمی خوش ہو کر بات کرتے تو غریب خوشی سے پھولا نہیں سماتا۔ اپنی سرفرازی

کو ہر آنے جانے والے سے بیان کرتے نہیں تھکتا۔ اگر کسی کا پروردگار ہی اس کا آرزومند ہو تو کتنی خوش قسمتی کی بات ہے۔ اس سہاگن کی خوشی کا اندازہ کوئی کیا جانے جس کا سرتاج اس کی توجہ کا محتاج ہو۔ جس کو خوش کرنے کے لئے عمر بھر جتن کرنے پڑتے ہیں۔ اگر وہ خوش کرنے کے جتن کرنے لگے تو خزاں میں بہار کیوں نہ آجائے ؎

موہے ایسا سپنا آئے

میں روٹھوں اور پیا منائے

غصّے کو قابو میں رکھنے والوں اور غلطیوں کو معاف کر دینے والوں کی زندگی اس سے بڑھ کر پیارا سپنا ہے۔ بُروں سے بھلائی کرنے والے اگر سچ مچ خدا سے روٹھ جائیں تو خدا محبت سے منالے مگر وہ تو ہر حال میں راضی برضا رہتے ہیں۔ وہ جو غلطیوں سے چشم پوشی کرتے اور نقصان کرنے پر معاف کر دیتے ہیں ایسے نیک کردار خود ہی نگاہ کی جنت اور باغ کی بہار ہو جاتے ہیں۔ خدا کی خوشنودی ڈھونڈتے ڈھونڈتے خدا ان کی خوشنودی ڈھونڈنے لگتا ہے۔ وہ گرم موسم میں ٹھنڈے پانی کی طرح پیارے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ پاک سیرت لوگ بوریا نشین بھی مسند نشین نظر آتے ہیں۔ ان کی آنکھیں نور برساتی ہیں اور ان کا دل دلوں کو غیر فانی روشنی سے منوّر کرتا ہے جنہوں نے خالق کی بے پناہ محبّت کو خالق کی رضا جوئی کا وسیلہ بنایا اور خطا کاروں کو بھی نظرِ کرم سے دیکھا۔ وہ باتوں باتوں میں جنّت کے سردار بن گئے۔

اے عزیز! تیرا دلِ ملت کے اس حال سے کانپ اٹھنا چاہئے کہ ان میں مخلوقِ خدا کی خدمت اور ان پر عفو و مہر کا جذبہ کم ہو کر دل آزار اور جذباتِ انتقام ترقّی کر رہے ہیں۔ بات بات پر آگ بگولا ہو جانا۔ بھائی کا بھائی کی جان کا دشمن ہو جانا

ملّت میں نہتور کا نشان سمجھا جاتا ہے لیکن مسلمان کی شان اس سے بلند ہے اسے غصّے کو ٹال دینے والا، غلطیوں کو معاف کرنے والا، حسنِ اخلاق سے مخالف کا من موہ لینے والا ہونا چاہیئے۔

پیارے خالق کو مخلوق پیاری ہے تو بھی پیارے کے پیاروں کو پیار کر۔ سچی محبت کا یہ دستور نہیں کہ جس کو پیا چاہے تو اس کے درپئے آزار ہو۔ بس انسان کی یہ ادا معبود کو محبوب ہے کہ جاہل غصّے ہوں وہ مسکرا دے۔ کوئی تنگ کرے وہ ترش نہ ہو۔ جب دشمن پر قابو پالے تو پیارے نبیؐ کی طرح اہلِ مکّہ کو بخش دے۔ اے غیظ و غضب پر قابو پانے والے، خطا کار سے درگذر کرنیوالے نبیؐ! تم پر ہزاروں سلام!!

چڑچڑا پن فطرت کی رسوائی ہے بعض اوقات معدے اور جگر کی خرابی اور قویٰ کی کمزوری سے انسان لال بھبھوکا ہو جاتا ہے۔ اکثر غلط تربیت اور بیجا غرور بھی مزاج کو برہم رکھتے ہیں۔ معدے، جگر اور قویٰ کی کمزوری کو باقاعدہ علاج اور مناسب ورزش سے درست کرنا چاہیئے۔ سب سے اہم یہ کہ سیرت کو ایسی صورت دینی چاہیئے کہ بیماری اور مصیبت میں بھی دل میں غصّہ اور چہرے پر شکنیں نہ آنے پائیں۔ اللہ کا ذکر بھی اس کا حتمی علاج ہے۔ یادِ حق اور عملِ صالح یعنی خدمتِ ملّت سے بھی غصّے کی آگ فرو ہو جاتی ہے۔ چل پھر کر کسبِ حلال اور خدمتِ خلق میں مصروف رہو۔ کم گوئی اختیار کرو اور زبان پر وردِ اسمائے الٰہی ہو۔ دلِ گلزار اور چہرہ پُر بہار ہو جائے۔ ہر ملنے والے کو یہی معلوم ہوگا کہ اس کی رُوح جسم کو چھوڑ کر استقبال کو آ رہی ہے۔ اچھے لوگ اس کی صحبت کو پسند کریں گے اور وہ دوستوں میں ستاروں سے گھرا چاند نظر آئے گا۔

دیوانی جوانی کے بلاخیز طوفانوں میں کہتے ہیں کون ہے جو ڈگمگا نہیں جاتا۔ یہ اُن

عوام کے لئے سچ ہے جو خدا کے نام کے چپّو کے بغیر زندگی کی کشتی کھیلتے ہیں، جو نمازوں کی برکت اور ذکر کی کثرت کا سہارا لے کر چلتے ہیں وہ کبھی گردابِ بلا میں نہیں پھنستے۔ جونہی قدم غلط راہ کی طرف اٹھتا ہے کوئی نامعلوم ہاتھ کھلے اشاروں سے منع کرتا ہے، اکثر اس کے اور گناہ کے درمیان ناقابلِ عبور دیواریں کھڑی ہو جاتی ہیں۔

عزیز! گناہوں پر جسارت زندگی کے خوشنما باغ کو برباد کر دینے والی چیز ہے لیکن چالاک اور چالباز گلزار کو ویرانہ بنا کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے دُنیا میں بڑی فہمندی حاصل کی۔ جوانی کے عیش بڑھاپے میں آگ کے انگارے بن جاتے ہیں۔ عمر کے آخری حصّے میں انسان مصیبت بھری زندگی کا خیال کر کے لمبی راتیں آہیں بھر کر گزارتا ہے۔ جس عیش کا انجام غم ہے اس کو اختیار کر کے بربادی کو کیوں خریدا جائے!

داغدار کپڑا بے داغ لباس کے برابر نہیں ہوتا لیکن گناہوں کے داغِ رُوح کو ذکرِ الٰہی اور استغفار کے پانی سے دھویا جا سکتا ہے۔ گناہ اور ظلم کے میدان میں آنکھیں بند کر کے بڑھے چلے جانا دوزخ کی لپیٹ میں آ جانا ہے۔ معصوم فطرت کو پروردگار کے حضور میں لے جانا تو بہت ہی بڑی کامیابی ہے لیکن تائب دل کے ساتھ اس کے حضور میں پیش ہونا کوئی کم کامرانی نہیں۔ کوئی ماں کا جان سے پیارا بچّہ نافرمانیوں سے تائب ہو جائے اور گردن جھکا کر ندامت کے آنسو آنکھوں میں بھر لائے۔ ماں کا دل کیا پسیج جانے سے رہے گا؟ یہی حال خدا کی کرم فرمائیوں کا ہے۔ زبان پر اس کا ذکر، دل میں اس کی ناراضگی کی فکر ہو اور تڑپ تڑپ کر معافی مانگے تو ؏

اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ندامت کے آنسو بطور توبہ کے قبول کر لئے جاتے ہیں۔

یہ کارخانۂ قدرت کس کا ہے؟ بس اس کارگاہِ ہستی میں تقدیر کے قانون توڑنے والا اس سے معافی کا خواستگار ہو جائے اور آئندہ خدا کی دی ہوئی قوّت و عقل اللہ کی راہ میں لگائے اور خدمتِ خلق میں اتنا مبالغہ کرے کہ قادر پھر اس کی وہی قدر کرنے لگے لیکن اس عزیز کی طرح نہ ہو جو ساری رات دادِ عیش دے کر ہر صبح مصلّے پر بیٹھ کر زار و قطار روتا تھا اور تڑپ تڑپ کر تڑپا دینے والی لَے میں یہ شعر پڑھتا تھا ؎

کردم ز شرابِ ناب توبہ
ورنہ گفتۂ ناثواب توبہ

اور پھر شراب کی بدمستیوں میں مبتلا ہو کر ہمسائے میں بسنے والے غریبوں کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ رات کو پینا اور صبح کو توبہ کرنا توبہ سے تائب ہونا ہے۔ سچّی توبہ تو طبیعت کا خوشگوار انقلاب ہے اور سوکھے دھانوں کو ندامت کے آنسوؤں سے سینچ کر ہرا کرنا ہے۔

بعض لوگ حماقت سے غلطیوں پر اصرار کئے جاتے ہیں اور خوش فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ اختیار کردہ راہ سے ہٹنا خواہ غلط ہی ہو ان کی شان کے خلاف ہے مگر یہ شان مسلمان کا شیوہ نہیں۔ ایسی جہالت پر کسی ابوجہل کو فخر کرنے کے لئے چھوڑ دو۔ خدارا زندگی کی فرصتوں کو غنیمت جانو اور بُرے راستوں سے لوٹ آؤ اور اللہ کا راستہ اختیار کرو! اپنی جانوں کو بنی نوعِ انسان کے لئے مشکلات میں ڈالو تا کہ سب کے کام آسان ہوں۔ دنیا میں راحت طلبی کے معنی دوسروں کے آرام کو قربان کرنا ہے۔ عزیزو! ایسے راستوں سے بچ جاؤ۔ آپ پہلے قربان ہو جاؤ تاکہ دنیا میں قربانی کی رُوح پیدا ہو جائے۔ یوں شاید کسی کو قربانی ہی نہ کرنا پڑے۔ اس طرح شاید سب کے لئے دن عید اور رات

شب برات ہو کر گزرے۔ اس وقت چند بڑے آدمیوں کی سرکشی اور عدوان نے تمام ملت کو مبتلائے مصیبت کر رکھا ہے۔ ان کی آرام طلبیاں اور عیش پسندیاں بڑے رنگ لا رہی ہیں اور یوں ساری قوم کی سیرت فنا ہو رہی ہے۔ ان آیات میں فواحشات اور نفس پر ظلم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان میں صرف آوارہ مزاجیوں کا ذکر نہیں بلکہ سیرت انسانی کو تباہ کرنے والی عام عادات کا مذکور ہے۔ رشوت خوری اور انصاف فروشی، دولت اور اقتدار کے گھمنڈ میں زیردستوں اور غریبوں پر زیادتی کرنا، قول اور فعل سے کسی کی دل آزاری کرنا، اپنے آرام اور نام کے لئے قومی مقاصد سے غدّاری کرنا، ہوشیاری اور فریب کاری سے خدا کے سادہ بندوں کو لوٹنا یا ان کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر اُن کو اپنے مفاد پر قربان کرنا، غرض علم اور عقل کا کوئی جھانسہ جو دوسروں کی راحت اور آرام کو حرام کرے گناہ ہے اور فوری توبہ اس کا علاج ہے ورنہ عادات راسخ ہو جانے پر انسان دوزخ کا ایندھن ہو جاتا ہے۔

فحش گوئی فواحشات کی ابتداء ہے۔ ایسی صحبتوں میں شیطان راہ پا لیتا ہے۔ جب یاوہ گوئی کو طبیعت پسند کرے تو سمجھ لو کہ دل گندہ ہو گیا ہے اور اسے موقعے کی تلاش ہے۔ اب آلودۂ گناہ ہونا کوئی گھڑی کی بات ہے۔ یہ ذکر کی کثرت کا ضروری موقعہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ رات کو تہجّد کا اضافہ کرے تاکہ طبیعت میں سکون اور گداز پیدا ہو جائے ورنہ بہکی ہوئی طبیعت بے بس ہو کر بڑی شرارت کا باعث ہو جاتی ہے۔ اس حال میں نمازوں کی طرف جتنی توجہ بڑھے گی نمازوں میں خشوع و خضوع، فواحشات سے بچنے کا سائنٹیفک طریقہ ہے۔ نمازوں کی طرف جتنی توجّہ ہو گی شیطان اُتنا ہی دور رہے گا۔ جب طبیعت نماز سے اکتانے لگے تو سمجھ لو کہ شیطان کا پھندہ مضبوط ہو رہا

ہے اور تم آفتِ گناہ میں پھنسنے والے ہو۔

عزیز! جوانی میں نفسِ فواحشات پر اُکساتا ہے اور بڑھانے میں مال کی حرص بڑھاتا ہے۔ نفس کی شرارتوں کا علاج، اللہ کا ذکر، نمازوں کی طرف توجّہ اور خدا کی مخلوق کی بھلائی کے لئے جان کو اور جوکھوں میں ڈالنا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ذکر کے معنی عملِ نیک سے بے اعتنائی سمجھ کر صرف تولی عبادت پر قناعت کرلو۔

نمازوں کے بعد مسجد میں نہ بیٹھو بلکہ اللہ کا فضل ڈھونڈنے کے لئے نکلو! ہاتھ کار کی طرف اور دلِ یار کی طرف رکھو۔ زبان پر یا دل میں اللہ یا اس کی کسی صنعت کا ورد اور خیال ہو۔ کسبِ حلال میں جان لڑاؤ۔ کنبے اور کنبے کے باہر مستحق لوگوں پر بانٹ کر کھاؤ۔ ہمیشہ خدا کی عظمت و جلال کا خیال رکھ کر چند روزہ زندگی میں خدمتِ خلق کا کارنامہ کر جاؤ۔ تاکہ نیکی میں تمہارا نام بلند ہو اور آنے والی نسلوں کے لئے تمہاری زندگی روشنی کا مینار ہو اور لوگوں کو سیدھا راستہ جاننے میں آسانی ہو۔ پس اللہ کے ذکر اور مخلوق کی محبّت کو دل میں زیادہ کرو اور اپنی جان کو غریبوں کی ڈھال بناؤ۔:

(۴)

تصوّر میں کلّو اور کشمیر کی بے نظیر وادیوں کی تصویر دیکھو۔ رنگین گلزاروں اور بہتے پانیوں اور نظر افروز پہاڑوں نے کیا بہار پیدا کر رکھی ہے اکس کا جی نہیں چاہتا کہ یہیں پاؤں پسار کر بیٹھ رہیں۔ کوئی خوب صورت سا حجرہ مِل جائے۔ کھانے پینے کی فراوانی ہو۔ دل میں پانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ بہتے جائیں اور اِدھر اُدھر سیر کرتے عمر گزار دیں۔

مناہل زندگی کی دلچسپیوں کو ساتھ شامل کرلو کہ حُور وش بیبیاں اور غلمان صفت پیارے بچے اس جنّت ارضی کی کشش کو اور زیادہ کر دیں تو دِل کی خوشی کا کیا حال ہو مادّی

دنیا میں گل و گلزار، دریا و انہار، حور و غلمان کے علاوہ اخوت کی خوشیوں کو کیونکر دنیا والوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ جو سچ پوچھو تو خاک اور عالم پاک میں جو فرق ہے وہی کلّو و کشمیر اور جنّت میں ہے مگر لفظوں کی کون سی ترتیب اس حُسن کو کما حقہ، بیان کرے نگاہ نے جس کے جلووں کے دامن کو ابھی چھوا بھی نہیں۔

صحرا نشین سے کشمیر جنّت نظیر کی دلکشی کی کہانی کہو تو وہ سمجھے گا کہ یہ جھوٹا افسانہ میرے بہلانے کا بہانہ ہے۔ دُنیا کے حُسن کی یہ یکجائی ایک مختصر سی وادی میں کہاں ممکن ہے۔ جن کا دل رُوحانی بنجر ہے، وُہ ارضی خوشی سے پاک روحانی خوشی کا تصور نہیں کر سکتے۔ اے عزیز! جو خاک سے گُل بُوٹے پیدا کرتا ہے اور مٹی کی مُورت کو حُسن کی پاک صورت بنا دیتا ہے۔ آسمان پر ناروں کے اَن گنِت روشن لعل لٹکا دیتا ہے۔ وُہ چاہے تو اور کیا نہیں کر سکتا۔

یُوں تو ہر یاوہ گو کو حق ہے کہ زبان کی قینچی کو تب تک چلائے جب تک فرشتۂ اجل منہ پر تالے نہیں ڈال دیتا مگر عقل کے تصوّر سے ایسی دُنیا دُور نہیں جس کا غیر آباد گوشہ بھی کشمیر اور کُلّو کے گلزاروں سے ہزاروں گنا زیادہ دلکش اور نظر افروز ہو۔ بخدا لبعضوں نے اس کے حُسن و خُوبی کا ہلکا سا جلوہ دل کی آنکھوں سے دیکھا اور اس کے پھلوں کا تھوڑا سا مزہ اِسی دنیا میں اسی زبان سے چکھا۔

انگلینڈ کے عوام برسات میں آموں کے باغ کی بہار کیا جانیں۔ اچھے آم کی حلاوت کو وہ کیا سمجھیں۔ انہیں کوئی کس طرح سمجھائے کہ برسا برسی برسات میں ابر جب جھوم کے آتا ہے تو ہندوستان کی سرزمین پر ایک نشہ سا برس جاتا ہے۔ اس مزے دار موسم میں سبیندوری آم سبز پتّوں کی اوٹ میں لٹکتے نگاہ کے لُطف کو دوبالا

کرتے ہیں۔

رُوح کی رفعتوں سے ہم جیسے بے خبر لوگوں کو اہلِ حق کیونکر سمجھائیں کہ حُسنِ عمل اور ذِکرِ الٰہی سے دِل کی دُنیا اسی دنیا میں بدل جاتی ہے اور نظریں اَور کی اَور ہو جاتی ہیں، عوام کی سستئ نگاہ جس حُسن کو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتی ہے۔ انہیں گل و گلزار میں ہزار درجہ بہتر رنگ نظر آتا ہے۔ ہر کرخت آواز بھی کان کو نغمۂ شیریں کی طرح بھلی معلوم ہوتی ہے۔ شیریں نغمے لاکھ گُنا اور شیریں ہو جاتے ہیں۔ کوئی میوہ کھائے بغیر زبان کا ذائقہ یوُں بدل جاتا ہے۔ گویا خوشگوار آموں سے کہیں بہتر میوے کی حلاوت حاصل ہے جو ایسی زندگی سے محروم ہیں اُن کے لئے یہ حقیقتیں محض افسانہ ہیں۔ اہلِ حق ان حقیقتوں کا مذاق اڑانے والوں پر مسکرا کر گزر جاتے ہیں۔ اندھے کو موسمِ بہار کی بہار کوئی کیونکر سمجھائے کہ اس موسم میں دنیا کفِ گل فروش بنی ہوتی ہے۔

قلب کی کیفیتوں کا خوشگوار انقلاب آنکھوں کے سامنے حُسن کے جنّت نگاہ جلووں کی افزائش، نغموں کی شیرینی میں اضافہ، زبان میں بن چکھے میووں کی جاں فزا لذّت جن کا ذکر ہُوا وہ بھی جنت کی پُوری حقیقت نہیں۔ قیاس کہتا ہے کہ جنّت اس سے افضل زندگی کی مسرّتوں کا نام ہے۔ جو ہم جیسے روحانی اندھے عملِ صالح کو ٹیڑھی کھیر سمجھ کر اس سے پرہیز کرتے ہیں، وہ کبھی نہ جان سکیں گے کہ حقیقی خوشی کیا ہے۔ خوشی کا مفہوم ان کے نزدیک مزدوروں اور کسانوں کی کمائی کو جمع کر کے اس سے اپنے لئے آرام کے سامان مہیّا کرنا اور عورتوں کی عصمت لوٹ کر شراب کو شیشوں میں لگا کر پینا ہے۔ حالانکہ مالک کی محبت میں سب کچھ لٹا دینا، عورتوں کی حفاظت کرنا، کمزور اور غریب کو اٹھانے اور بڑھانے کے لئے اپنا خُون بہا دینا حقیقی مسرّت

ہے جنہیں اس مسرت سے دُنیا میں کچھ حصّہ مِلا ہے وہی آخرت کی خوشیوں کے حقدار ہیں۔

اے عزیز! جسم اور جان پر راہِ حق میں تکلیفیں اُٹھا کر ہمیں خوشی کا احساس کرلے، مادّی خوشیوں میں مبتلا ہو کر روحانی مسرتوں سے خود ہی محروم رہنا اور کہنا کہ دولت اور اقتدار کی خرّمی اور شراب کے نشے کے علاوہ اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا جو دل و دماغ کو سرور سے بھر دے۔ ایسا سمجھنا بہت بڑی بے عقلی ہے۔

یہ تو قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ آیا آخرت کی زندگی کا یہ زندگی ایک کثیف پرتو ہے۔ ہاں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ مادّی مسرّتوں کے علاوہ بھی ایک گہری خوشی ہے جس کا سرچشمہ خدا کی راہ میں مخلوق کی خدمت کے لئے مسلسل قربانی ہے، بشرطیکہ اس کے ساتھ ذکرِ الٰہی کی چاشنی ہو۔ جنّت میں گل و گلزار۔ باغ و انہار کا ہونا، سبز درختوں کا خوشگوار پھلوں سے لدے ہونا جو موجُودہ دنیا کے پھل پھُول سے کہیں رنگدار اور خوشگوار ہوں ناممکن نہیں، یا اس سے خوشی کی کوئی بہتر صورت ہونا ممکن ہے۔ اس دُنیا کو پیدا کرنے والے کے لئے اس سے بہتر ہزار جہانوں کا پیدا کرنا کیا مشکل ہے! جس نے بڑے شہر کی گندی گلیوں میں عمر گزار دی۔ وہ گلّو اور کشمیر کی نظر افروز وادیوں کا پڑا انکار کرے۔ مادّی خوشیوں کے علاوہ روحانی خوشی پاکیزہ تر صوُرت میں محسوس کی جا سکتی ہے۔ شاید مسرّتوں کی اس سے پاکیزہ تر کیفیت اور بھی ہو جو صرف آئندہ جہان کے ساتھ مخصوص ہو۔ یہاں جب خدا سے تعلق بڑھنے سے دل کی کیفیت، آنکھوں کا رنگ، زبان کی لذّت اور کانوں کی سماعت اِس دُنیا میں ایک غیر متوقّع لطیف صوُرت اختیار کر لیتی ہے۔ کیا خبر کہ آئندہ زندگی میں یہی ہنگامے ہوں۔ صرف

جو حسِ خمسہ میں گہرائی زیادہ آجائے۔ ہر چیز اس سے زیادہ پُرلطف نظر آئے جواب آتی ہے !!

اور مذاہب کے پیارے بھائی اسلام دشمنی کے باعث عیب جو نگاہوں سے قرآن کی ہر آیت کو دیکھتے ہیں کہ کہیں کوئی ٹیڑھی سیدھی لکیر مل جائے تو اُلٹا سیدھا اعتراض جڑدیں۔ جونہی قرآن میں پڑھا کہ وعدہ کی گئی جنت کا عرض زمین اور آسمان کے برابر ہوگا تو بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگے۔ دُنیا میں دل کی کیفیت پر قیاس نہیں کیا کہ بعض امراء کے ایوانوں میں ایک مسافر کے لئے شب باشی کی جگہ نہیں ملتی اور غریب اپنے چھوٹے سے گھر میں دس مہمان ٹھہرا کر انہیں سر آنکھوں پر جگہ دیتا ہے۔ جب دل تنگ ہو تو جگہ تنگ نظر آتی ہے۔ دیکھا نہیں کہ بعض مسافر ریل کے ڈبے میں تنہا ہوتے ہیں لیکن دروازے اندر سے بند رکھتے ہیں۔ مبادا کوئی اور مسافر چڑھ آئے۔ اگر کوئی سادہ لوح دیہاتی بھٹک کر ادھر آہی جائے تو پہلے اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور پھر دوسرے ڈبوں کی طرف اشارہ کرکے چلتا کرتے ہیں۔ اگر بھلے آدمی بیٹھے ہوں تو تنگ جگہ پر بھی پاس بٹھا لیتے ہیں۔

بڑے لوگوں کو بڑی جگہ بھی تنگ نظر آتی ہے۔ وہ لاکھوں کما کر بھی تنگدست ہوتے ہیں۔ سلاطین کے خبط کو دیکھو۔ وسیع ولایات پر قانع نہیں ہوتے مگر خدا کے ولی پلّے پائی نہیں رکھتے۔ فقر کو جگہ نہیں ہوتی مگر اہلِ دُنیا کو اپنے سمجھنے کے باعث سب کے مال واملاک انہیں اپنے ہی نظر آتے ہیں۔ کوئی کہہ دے کہ بھلے آدمی کچھ اپنا بھی بنالے تو وہ تعجب سے اس کی طرف دیکھتے ہیں۔ گویا شاہ عالمگیر کو جیل کی کسی کوٹھڑی پر قناعت کرنے کو کہا جارہا ہے۔

اہلِ دل دنیا والوں نے دیکھے نہیں۔ زمین اور آسمانوں کی وسعتیں تو ان کے دِل کے ایک گوشے کے بھی برابر نہیں۔ اُن کے دل میں ایک جنت کیا ہزار گلزار آباد ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں۔ وہی جب بیوقوف لوگ اپنی اپنی جائیداد بناتے ہیں تو وہ سب کی بنانے میں لگے ہوتے ہیں۔

عرب کے لاثانی یتیمؐ کو نہیں دیکھا کہ سارا عرب مٹھی میں آگیا مگر خود مٹھی بھر اناج پر قناعت کی۔ کتنی توہین تھی میرے نبیؐ کی اگر کوئی آکر کہہ دیتا کہ آ میں تجھے اچھا مکان بنوادوں اور اس میں باغ لگوادوں۔ وہ تو سب کو اپنا ہی سمجھتے تھے۔ جو جس کے پاس تھا وہ ان ہی کا تھا تب ہی تو اُمت کی خاطر پیٹ پر پتھر باندھ کر چلے گئے۔

سب کو کھلا کر کھانا ہی تو نیکوں کی شان ہے۔ اسی لئے تو بیت المال مسلمانوں میں رائج ہوا تھا تاکہ کوئی بھوکا، ننگا اور محتاج نہ رہ جائے۔ افراد کا قلب جُوں جُوں وسیع ہوگا تُوں تُوں بیت المال کا خیال زور پکڑے گا۔ یاد رکھو مال کی محبت مذہب میں ممنوع ہے۔ یہ مال قومی خزانہ میں جمع ہو کر قوم کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ شخصی ملکیت سیرت کو برباد کر دیتی ہے، دِل تنگ ہو جاتا ہے۔ قلب میں جنت کی وسعت اور سچا سکون پیدا نہیں ہوتا۔ مال دِل کو وسیع نہیں کرتا۔ لوگوں پر خرچ دل کو جنت کی جلوہ گاہ بنا دیتا ہے مگر دیکھو آجکل کے امراء کی طرح اپنی مرضی سے خرچ کر کے بھیک منگوں کی تعداد نہ بڑھاؤ بلکہ مال کو ملت کی تعمیر پر لگاؤ! رات دن کماؤ۔ باقی وقت اور مال قوم کی ریڑھ کی ہڈی مضبوط کرنے پر لگاؤ۔ دل گلزار پُر بہار ہوتا جائے گا۔ اس کی وسعت واقعی جہانوں کو گھیر لے گی۔

(۵)

فرانس کی مفتوح قوم کے ڈکٹیٹر مارشل پٹیان نے شکست کا باعث لوگوں کی تن آسانیوں اور عیش پسندیوں کو قرار دیا۔ عیش و آرام کی طرف لوگوں کی بڑھتی ہوئی رغبت، گھٹتی ہوئی قسمت کی یقینی علامت ہے۔ قانون فطرت کو توڑ کر آوارگیوں میں بسر کرنے والی قوم کے ہنگیلے افراد سپاہی کی سخت زندگی کو قبول نہیں کر سکتے۔

مال کو قوم سے محبوب رکھنے والے یا اس کو صرف ذاتی ترقی پر صرف کرنیوالے غصے میں آکر بے قابو ہو جانے والے، بات بات پر انتقام کی گرہ دل میں باندھ رکھنے والے، حسن کے بازار میں عشق کی تلاش کرنے والے سب ہی مکذبین ہیں۔

توبہ میں تساہل کر کے گناہوں کو جاری رکھنے کا انجام قوم کی عبرتناک شکست اور لمبی غلامی ہے۔ اس زمین کی تاریخ کے سارے اوراق کو الٹ پلٹ کر دیکھ لو۔ مال کی دلدادہ اور ایک دوسرے کو معاف نہ کرنے اور غصے کے باعث پارٹی بازی کا شکار۔ عیش پسند امتیں حرفِ غلط کی طرح مٹا دی گئیں۔ تاج محل اور لال قلعہ کے بنانے والے اور بسنے والے کہاں ہیں؟ جب ان کے بزرگ ہندوستان آئے تو ان کی ہمت قابل داد تھی۔ جب دادِ عیش دینے لگے تو ہمتوں کی پستی نے اُن کی اولاد کو عبرت کا مقام بنا دیا۔ مسلمان ان عمارات کو روزانہ دیکھتے ہیں لیکن کچھ عبرت حاصل نہیں کرتے۔

امراء چھوڑ عوام کو میں نے دیکھا کہ سارا دن حقہ نوشی میں گزر گیا۔ مجال کیا جو تنکا توڑا ہو۔ مسلمان کسی قوم یا ملک کی آزادی کا نام نہیں بلکہ خدا کا نام لے کر کام پر کمر باندھ لینے والے خدا کے فرمانبردار بندوں کا نام ہے۔ زبان سے اقرار اور عمل سے

مخالفت دین کا تمسخر اڑانا ہے۔ یہ امر خدا کی سخت ناراضگی کا باعث ہے۔ ظالم قوموں کی کہانی کہنے کے لئے مصر کے مینار یا عیش کا افسانہ سنانے والے لال قلعے رہ جاتے ہیں اور قوم فنا ہو جاتی ہے۔ جاؤ بابل و نینوا کے کھنڈرات دیکھو یا قرطبہ کی اجڑی ہوئی عمارتوں کا ملاحظہ کرو۔ آنکھوں کو بند کر کے آخری نسل کی زندگی پر نظر ڈالو کہ انہوں نے اپنے اخلاق کی کس طرح بربادی کر لی تھی؟ دنیا کے اکثر ممالک میں بہت سے کھنڈرات قوموں کی گزشتہ عظمت و جلال کے گواہ بنے کھڑے ہیں، ان کی بربادی کی تاریخ بداخلاقی اور آرام پسندی کا افسانہ ہے بعض قوموں کے مٹی میں دبے ہوئے آثار قرآن کی سچائی کی تصدیق کر رہے ہیں۔ ان آثار کو ڈھونڈ کر کھود نکالنے والے تاریخی شہادتوں کی بناء پر کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ کے عنوان سے مرثیہ پڑھتے ہیں۔

بَد اِخلاقی، عیش پسندی اور آرام جوئی اپنی فطرت کے خلاف بغاوت ہے۔ اللہ کا عذاب اچانک نہیں آتا۔ قومیں آہستہ آہستہ مسلسل گناہوں کے باعث اور ہمسائے کے حقوق سے غافل ہو کر اپنی بربادی کا سامان کرتی ہیں۔ اللہ کے بھروسے پر ترقی کے سامان فراہم کرنے والے کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ خود غرض، تنگ دل اور بیکاروں کی تعداد بڑھتی ہے، جو قوم ایسی ہی گندی مصروفیات کے باعث کام کرنے کے اوقات کم کر دے وہ بن مارے مرجانے والی ہے۔

میں حقہ نوش مسلمان مزدور اور کسانوں کو عبرت سے دیکھتا ہوں۔ کیا یہ قوم ہے جسے پاک پیغمبرؐ نے صفائی پسند اور محنت طلب بنایا تھا۔ ابھی مجھے اسلام کا پُورا عِلم نہیں تھا جب سے میں سوچتا رہا ہوں کہ حقہ نوش قوم خواہ کسی ملک و ملت سے تعلق رکھے کبھی دوسری قوموں کے مقابلے میں زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی

زندگی سعی وعمل کا نام ہے۔ حُقّہ نوشی سے کسل اور کاہلی پیدا ہوتی ہے۔

مسلمانوں کو چھوڑو، سکھوں کو لو۔ جن علاقوں میں سکھ حُقّہ نوشی کی عادت میں مبُتلا ہیں۔ ان کی صحت اور کھیتی دونوں برباد ہیں۔ ان کے چہرے اور ران کے گھروں میں ذلّت اور پھٹکار برستی ہے۔ ایک ہی گاؤں میں سکھ اور مسلمان آباد ہیں، سکھ اگر حقہ نوش نہیں تو ان کے کھیتوں پر نُور برستا ہے۔ اور حقہ نوش مسلمان کی کھیتی کانٹے کی طرح سُوکھی کھڑی ہے۔

اہلِ حدیث مسلمانوں کے گاؤں میں جاؤ۔ جو حقہ نوش نہیں وہاں مرد اور عورتوں کے چہروں پر جلال اور کھیتوں پر حُسن پاؤ گے۔ ایسی عادات میں مبتلا ہوجانا جو وقت کو برباد کرنے والی ہوں، اللہ کی سب سے بڑی نافرمانی ہے۔ عیش کی زندگی، رنگ و راگ کی محفلیں کیوں حرام ہیں؟ اس لئے کہ اللہ کا سپاہی حقیقی کام سے غافل اور کمزور ہو جاتا ہے۔

مکذبین میں ان کا درجہ بلند ہے جو آرام طلبیوں، راحت پسندیوں اور حُقّہ نوشی جیسی گندی اور کاہل کر دینے والی عادتوں سے انسان کو زندگی کی کشمکش کے ناقابل بنا دے اور ملّت کو نیم مُردہ کر کے اور کو اسے غلام بنانے کا حوصلہ دلا دے۔ جن کے بازو میں بل اور جسم میں جان نہیں۔ وہی مکذب ہیں جنہوں نے اللہ کی دی ہوئی صحت اور زور کو غفلت سے تباہ کر دیا۔ نوجوانوں کے کَس بل پر تو قوموں کی قسمت کا مدار ہے۔ عمدہ صحت کے ساتھ عمدہ اخلاق شامل ہو جائیں تو دنیا میں دین ترقی کرتا ہے۔ حکومت اور سلطنت لونڈی غلام بن جاتے ہیں۔ سب سے اہم یہ کہ دوزخ کی آگ اس پر حرام ہو جاتی ہے کیونکہ عمدہ صحت اور پاک خیالات کے باعث وہ مخلوقِ خدا کی بڑی خدمات

سرانجام دینے کے قابل ہوجاتا ہے۔

بدقسمتی سے فی زمانہ نیکی کا معیار صرف نماز اور روزہ ہے۔جب اغیار مسلمان کے دوسرے عمل اور پورے کردار پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ ان کے معیار پر پورے نہیں اُترتے۔ اور اسلام کی ذلت کا باعث ہوتے ہیں۔سنو گے کہ فلاں شخص بڑا متقی ہے۔مفہوم کہنے والے کا یہ ہوگا کہ وہ ہر وقت قولی عبادت میں لگا رہتا ہے،صرف زبان کی عبادت سے کوئی قوم دین و دُنیا کے مقاصد حاصل نہیں کرسکتی۔نیکی وہ پورا عمل ہے جو سرورِکونینؐ کی زندگی کا عمل تھا۔زبانی جمع خرچ سے دین درست ہوسکتا تو رہبانیت حرام کیوں ہوتی جو اسلام کا عمل نہیں وہ مکذبوں کا فعل ہے۔چاہے مسلمان کہلانے والی قوم ہی کیوں نہ کرے۔قوم کی قوم اگر ہاتھ پاؤں توڑ کے بیٹھ جائے یا جہاد اور قربانیٔ مال سے کترائے۔عقل کو اُلجھنوں میں ڈال کر اشیاء کے خواص جاننے نہ پائے اور تعمیرِ ملت میں انہیں کام میں نہ لائے۔بیشک ایسی قوم اللہ کے دین کی مکذّب ہے۔

دُنیا کا قانون جان لو کہ یا تو خود ہی اپنی قوم کے لئے بخوشی تکلیف قبول کرلو ورنہ اور قوموں سے ذلتیں اور تکلیفیں اٹھاؤ گے۔

اسلام کا منشاء یہ ہے کہ دُنیا میں ایک عام اقتصادی نظام اور عالمگیر انسانی برادری کو قائم کیا جائے اور اس کی ابتداء گھر سے کی جائے۔تنگ دلی،تنگ نیالی اور غفلت کا ایک لمحہ بھی تمہیں مکذبین میں شامل کردے گا۔شخصی اخلاق کی اصلاح پر نظر رکھو اور جماعتی بھلائی کے اصول کو نہ بھولو۔تب ہی تم فلاح پا سکتے ہو۔قوموں کے شخصی اور قومی اخلاق جب تک پاکیزہ رہیں گے قوم زندہ رہے گی۔جب اخلاقِ حمیدہ،اعمال ناپسندیدہ میں تبدیل ہوجائیں گے تو شجرِ قومی بے برگ و بار ہوجائے گا۔ان بے برگ بار

قوموں کا نام مکذّبین ہے۔

مسلمان کہلانے والی ملت عملِ غیر صالح کے باعث اس وقت مکذّبین کی فہرست میں شمار ہے۔ ہر جگہ غلام اور خوار ہے۔ ایسی زندگی سے مِٹ جانا بہتر ہے۔ ملت اگرچہ خاموشی سے مٹتی جارہی ہے۔ افسوس کہ اس میں مِٹ جانے کا عزم نہیں۔ مِٹ جانے کے عزم سے تو زندگی مل جاتی ہے! اس عزم سے شخصی اخلاق میں بھی خوشگوار تغیر آجاتا ہے اور قومیں مکذّبین کی فہرست سے نکل جاتی ہیں۔ عیش و آرام اپنے اوپر حرام کر کے ملّی بچاؤ میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ یوں ان میں مال کی محبت جاتی رہتی ہے اور آپس میں عفو سے کام لیتے ہیں۔ پارٹی بازی، شکوہ شکایت دُور ہو کر یکجان ہو جاتے ہیں۔ جنگ کی تیاریوں میں خدا کی طرف قدرتی دھیان اور رجحان بڑھ جاتا ہے۔

دُعا اور کوشش سے کام لو۔ بے پناہ قربانی کا عزم لے کر اُٹھو۔ شاید ملتِ اسلامیہ مکذّبین کی فہرست سے نکل جائے۔ دیکھتے نہیں کہ ہماری سلطنتوں کے کھنڈرات پر غیروں کے قصرِ حکومت اُستوار ہو چکے ہیں۔ جاؤ دنیا میں چل پھر کر آثارِ قدیمہ دیکھو۔ تاریخ میں مٹنے والوں کے اخلاق کا مطالعہ کرو۔ یہ جانچ پڑتال اور حقیقت کو کھول دینے والا بیان صرف خدا کو مدِّنظر رکھ کر کمرِ ہمت باندھ کر اٹھنے والوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی ہو گی:۔

(۶۰)

جب تم دنیا کی ترقی اور اپنی پس ماندگی کو ملاحظہ کرو گے تو دِل بیٹھ جائے گا۔ یہ اڑا اُڑ کر بم برسانے والے، یہ لپک لپک کر تباہی مچانے والے ہوائی جہازوں کی مالک قوموں کے مقابلے میں حقّے کا دھواں اڑانے والی اسلامی ملت کب لگّا کھائے گی!

اور قومیں برق رفتاری سے بڑھ رہی ہیں۔ ہماری ملت ابھی اونٹوں پر سفر کر رہی

ہے۔ الٰہی ہمارا کیا انجام ہوگا! قرآن کی پیاری زبان میں سب ملکوں کا مالک تسلی دیتا ہے۔ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۔ (یعنی ہمت نہ ہارو، حوصلہ کرو، مومن بنو اور میدان مار لو)

کس سیاح نے دُنیا میں چل پھر کر مسلمانوں کی مایوس کن حالت کو نہیں دیکھا! مگر مسلمان محسوس کریں تو جانئے۔ بچے بازاروں میں سیٹیاں بجاتے آوارہ پھرتے ہیں۔ نوجوان تڑپا دینے والی لَے میں محبت کے گیت گاتے اور عشق کی دھومیں مچاتے ہیں، بوڑھے دُنیا کے لالچ میں نفس کشی کی سبیلیں سوچتے ہیں۔ ابتداء سے انتہا تک ہماری ساری زندگی کے پورے عمل کا یہی عرض وطول ہے۔

واعظ ممبر پر کھڑا ہو کر کہتا ہے مومن ہو جاؤ لیکن اس کے ذہن میں صرف نماز، روزہ مومن کے عمل کی تصویر ہے۔ ایک گروہ کلہاڑی اور بلچہ سے پریڈ کر کے ایمان کی ساری خصوصیات کا اپنے آپ کو حامل سمجھ لیتا ہے۔ اے عزیزا محض نماز، روزے، صرف پُرانے اسلحہ سے پریڈ کس کام کی، مومن کی پوری تصویر بنو۔ نمازوں کو قائم کرو۔ عمل میں اخلاص پیدا کرو۔ دُنیا کے علم اور جان کی قربانی میں بے مثال بنو۔ قوم کو اوّل درجے کی اسلحہ پوش بناؤ۔

بازوؤں پر تعویذ باندھ کر چھاتیوں پر توپوں کے گولے برداشت کرنے کے لئے یہ کہہ کر میدان میں نہ بھیجو کہ دشمن کا ہر نشانہ خطا جائے گا۔ دشمن کے ہتھیاروں سے بہتر ہتھیار، دشمن کی قربانی سے بہتر قربانی، دشمن کے اخلاق سے بہتر اخلاق مومن کا طغرائے امتیاز ہیں۔

تیاریوں اور تدبیروں کے بغیر قربانی بھی کوئی چیز نہیں۔ ملک ملک کی ترقیوں پر

نظر رکھو اور خود ترقی کی دوڑ میں سب سے آگے رہو۔ تیاری، تدبیر اور تعداد کے بغیر تو حضرت امام حسینؓ کا اخلاص یزید کے فسق و فجور کے مقابلے میں ذبح ہو گیا اور کسی کے اخلاص اور قربانی کا کیا اعتبار!!

یاد رکھو ان آیات میں تمام مومنین مخاطب ہیں۔ اگر اب بھی دنیا کے مسلمان مل کر اٹھیں اور اللہ پر بھروسہ کر کے بڑھیں تو دنیا کے طور طریقے اور ہو جائیں اور ظالم خاک چاٹتے نظر آئیں، مگر دنیا کے مسلمانوں کو شخصی سلطنت کے آرزومندوں اور ذاتی وجاہت کے طلبگاروں نے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے۔ یمن کے والی اور عرب کے بادشاہ مصر کے شاہ، افغانستان و ایران کے ملوک اور ترکی کے صدر سے کوئی پوچھے کہ تم نے مسلمان کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کیوں بانٹ لیا ہے؟ دنیا کی بڑی تعداد رکھنے والی اور ترقی یافتہ قوموں کے مقابلے میں الگ الگ کیا کر دکھاؤ گے؟ صرف غریب مسلمانوں پر ہی قیامتیں ڈھاؤ گے۔ جس قوم میں اتنی تمیز نہیں۔ جو ۸۰ کروڑ ہونے کے باوجود چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے زیرِ سایہ بسر اوقات کرنے پر قانع ہے۔ کسی خدائی انعام کی مستحق نہیں۔ اس کے امراء، رؤسا، صوفیاء اور علماء ضرور باز پرس کئے جائیں گے جنہوں نے قوم میں سرمایہ داری کے نظام کو ترقی دے کر مسلمانوں کو عاجز کر دیا اور پھر انہیں گروہوں میں بانٹ کر خود ان کی گردنوں پر سوار ہو گئے۔

حضرت رسولِ کریمؐ کو سلاطین اور شہنشاہیت سے اتنی نفرت تھی کہ ہاتھوں کو بوسہ دینے والوں کو صاف کہہ دیا کہ اس قیصروں کی رسم سے بچو! اے عزیزو! سارے مسلمان کہلانے والے اسلام کے قانون سے بغاوت کرنے کے باعث غیروں کے دباؤ میں آ گئے ہیں۔ اب تو مومنانہ فراست اور ہمت سے کام لے کر سب ایک

ہو کر اٹھیں تو بوجھ سے نکل سکتے ہیں اور اَغلوُنَ ہو سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ مسلمان عوام کی تربیت پر موقوف ہے۔ ورنہ مسلمان شاہوں، نوابوں اور امرآ نے تو مسلمانوں کو کہیں کا نہیں چھوڑا۔ غریبوں کا خون، ان کی خوراک اور انہیں اپنے پاؤں پر جھکانا ان کے آداب، کیا یہ مومنوں کے حالات ہیں۔ اگر نہیں تو اَعلوُنَ ہونے کی امیدیں کیوں ہیں۔

اگر ترکی جنگ میں مبتلا ہو تو ہندوستانی مسلمان ان کے خون[1] سے ہولی کھیلنے جائے۔ اگر فلسطین کا عرب بلبلائے تو باقی ملکوں کا مسلمان بیٹھا تماشہ دیکھے۔ ایسی امّت غالب ہونے کے لئے ہے یا غلام رہنے کے لئے۔

امراء اور رؤسا کی مصلحتیں ہی ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ ایک کی مصلحت دوسرے سے جُدا ہے۔ کسی کا انگریز خدا ہے، کسی کا جرمنی داتا ہے۔ ملک ملک کے اسلامی بادشاہوں نے غیر مسلم شہنشاہوں کی غلامی قبول کر رکھی ہے اور اپنے پاؤں تلے مسلمانوں کا دبایا ہوا علاقہ ہے۔ جب یہ سارے بُت گر جائیں گے تو اسلام ترقی کریگا۔

ایک عزیز[2] نے عسکری زندگی کا ڈھنڈورہ بڑے زور سے پیٹنا شروع کیا تاکہ اور آوازیں دب کے رہ جائیں۔ سچی عسکری زندگی بلاشبہ قوموں کو غالب کرتی ہے لیکن اس عزیز نے اچھے عمل کے لئے غلط راستے اختیار کئے۔ عساکر کی ایسی اسلامی تنظیم جو غیر کے کام آئے، ملت کی موت ہے۔ غیر مسلم حکومتوں کے ماتحت عسکری طور پر منظم ہو کر مسلمان ہر جگہ بہادری کے جوہر دکھاتے ہیں۔ گزشتہ سالوں میں ہسپانیہ کے عیسائی سرمایہ پسند سرداروں کے ماتحت منظم ہو کر مراکش کے غریب مسلمانوں نے

---

[1] جنگِ عظیم اوّل کے حالات و واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ [2] خاکسار تحریک کی طرف اشارہ ہے

ہسپانیہ کے غریب عوام پر کس شجاعت سے قیامتیں توڑیں! ہسپانیہ کے عیسائی امراء نے مراکش کے غریب مسلمانوں میں خوب عسکری زندگی پیدا کی اور ملک کے مزدوروں اور کسانوں کے خون سے خوب ہولی کھیلی۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے کئی بار امراء کے اشارے پر خدا کا نام لے کر ترکوں پر چڑھائی کی۔ ہماری بہادری کے افسانے ترک بیواؤں کے اُجڑے سہاگ اور یتیم بچوں کے دلدوز آنسوؤں سے سُن لو۔ غرض عسکری زندگی تو ہے مگر غیر اسلامی۔ ایسی عسکری تنظیم جو غریبوں کی تباہی اور مسلمانوں کی بربادی کے لئے ہو۔ فساد فی الارض ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی ناراضگی کا باعث ہے لیکن جس عزیز کا ذکر ہے اس نے حسبِ معمول اپنے نظام کی بنیاد قادیانی امراء کی طرح غیروں کو رنگروٹ مہیا کرنے پر رکھی ہے۔ ممکن ہے کہ اس نے نیک نیتی سے کسی حکومت کی ناراضگی سے پہلو بچایا ہو۔ مگر غیر مسلم حکومت کی وفاداری کے عمومی وعدے۔ غلط تعلیم کی ایسی بنیاد ہے جس کے باعث ہم نے اپنے بھائیوں کا گلا خود اپنے ہاتھوں سے کاٹا۔ ہماری عسکری تنظیم نے ہماری اپنی ہی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا۔ کیا ہم یہ تجربات ابھی اور دہرانے جائیں یا غیروں کی وفاداری کے وعدوں سے قطع نظر کر کے ایسے عسکری نظام کو بروئے کار لائیں جو صاف صاف ملّی مصلحتوں کے تابع ہو کر اپنی پالیسی کا صاف اعلان کر دے کہ ہم کسی ملک کے غریبوں پر امراء کے اشارے سے ہاتھ نہ اٹھائیں گے اور بروئے قرآن کسی مسلمان کا خون نہ بہائیں گے۔ ہاں بلا قصور اگر کوئی ہماری آزادی اور امن کو نقصان پہنچائے گا تو ہم حفاظت خود اختیاری میں سب کچھ کریں گے۔

سب سے افسوسناک بات یہ ہے کہ عسکری زندگی کے مبلغ کا اپنا ذہن صاف نہیں کہ جس زندگی کا سچا مسلمان طالب ہے اور جس نظام کا مسلمان خواہاں ہے وہ فرونِ

اُولیٰ کی پاک زندگی اور وہی معیشت کا سادہ نظام ہے جس میں اُس وقت کے مسلمانوں میں اِس وقت کے رُوس سے زیادہ اقتصادی مساوات موجود تھی اور ان کا عمدہ عمل کثرتِ عبادت کی بنیاد پر تھا لیکن یہ صورت تو نام نہاد اسلامی سلاطین نے ۲۵ برس کے بعد ہی ختم کر دی تھی اور مسلمانوں کے سروں پہ زرّیں تخت بچھا کر شخصی حکومت جاری کر دی تھی اب چودہ سو سال پہلے کے مسلمان کی زندگی کی طرف اس مسلمان کو لوٹا لیجانا چاہتے ہو۔ وہ تو صاف بحیثیت مجموعی ناپاک زندگی اور بربادی کا نظام تھا۔ غریب مسلمان کو تو چار خلفاء کی پاک زندگی کے بعد رؤسا اور سلاطین نے بدترین غلام بنا رکھا تھا ان رؤسا اور امراء کی اب تک کی زندگی اِلّا ماشاء اللہ اسلام سے بغاوت کی زندگی ہے۔ اس عزیز کے قلم کا سارا زور علماء اور قومی کارکنوں کے غریب طبقے کے خلاف صرف ہو رہا ہے جو سوکھے ٹکڑے اور باسی سالن کھا کر اور چندے کے چند روپوں کے سہارے گزرِ اوقات کر کے رات دن کام میں لگے ہوئے ہیں۔ جس طرح امیر لوگ غریبوں کے ایثار اور خلوص کے قائل نہیں ہوتے اور ہر موقعے پر ان کی ذلت اور تحقیر کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ یہی حال اس عزیز کا ہے۔ ہر امیر اس عزیز کے ساتھ شامل ہو کر فخر کرتا ہے کہ میں گھر سے کھا کر خدمتِ اسلام کرتا ہوں۔ گھر سے کھا کر خدمتِ اسلام کرنے والے سرمایہ دار ہی ہمیشہ اسلامی اداروں پر چھائے رہے ہیں اور غریب کی گردن پہ شمشیرِ آویزاں کی طرح لٹکتے ہیں۔ ہمیں گھر سے کھانے کا فریب دے کر غریبوں کی زندگی پر قبضہ جمائے رکھنے والے ہمیشہ اسلام کی خدمت کے دعووں کے ساتھ پیدا ہوتے رہیں گے۔ ان ہی سے غریب قوم کو بچانا ہے کیونکہ اسلامی تاریخ کے چند سالوں کے بعد غریب مسلمانوں نے اپنے خون سے جتنے قلزم بہائے۔ اس کا فائدہ

چند امراء نے اٹھایا اور عامتہ المسلمین کو ہر کامیابی کے بعد اور بیچارہ بنا دیا۔ گھر سے کھا کر قوم کی خدمت کا دعویٰ کرنے والے درحقیقت قوم کی قربانی سے فائدہ اٹھانے والے ہوتے ہیں۔ وہ درشنی پہلوان اکھاڑے میں نکل کر خود کشتی نہیں لڑ سکتے البتہ قوم کو لڑا کر فتح کا سہرا خود باندھنے کے خوگر ہوتے ہیں۔ نام نہاد امراء اور رؤسا کی ۱۳ صد سالہ تاریک تاریخ کے بعد کیا اب بھی غریب یوں ہی فریب میں مبتلا رہیں اور اپنی قسمت کی باگ ڈور ان کے حوالہ رکھیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ گھر سے کھاتے ہیں اور قوم کا کام کرتے ہیں۔ حالانکہ کوئی بھی گھر کا نہیں کھاتا سب قوم کا مال کھاتے ہیں۔ حکومت سے بڑی بڑی تنخواہیں اور پنشنیں پانے والے یا زمین ٹبائی پر دے کر کسان کی کمائی کا حصہ لینے والے یا کارخانے بنا کر مزدوروں کی محنت سے نفع حاصل کرنے والے سب چندہ خور ہیں، بلکہ بدترین قسم کے۔ یہ زمین، یہ پیداوار سب خدا کی ہے اور خدا کی ساری مخلوق کا مال ہے۔ یہ امراء اور رؤسا کہاں سے نکل آئے! درحقیقت یہ وہ ہیں جو غریب چندہ خوروں سے زیادہ قوم کا مال خود اڑاتے ہیں اور اسی کو اپنے گھر کی کمائی بتاتے ہیں۔ میں اس مسئلہ کو پہلے زیرِ بحث لا چکا ہوں مگر یہ نہ سمجھو کہ خود سرمایہ دارانہ ذہن سے خالی ہوں۔ اگر میرے حال کو دیکھو تو قول اور عمل میں بے حد تفاوت پاؤ گے کیونکہ میں خود درمیانہ طبقے سے تعلق رکھنے کے باعث حقیقت کو بھول جاتا ہوں۔ ایک دو دفعہ تو میں نے بھی اسی تعلّی سے کام لیا ہے مگر یہ جہالت ہے۔ جس پر بعد میں میں شرمندہ ہوا۔ درمیانہ اور امیر طبقے کے ڈھونگ ہیں۔ ایسے دعوے یہ تعلیاں صرف اس امر کا اظہار ہیں کہ عوام ابھی بیدار نہیں اور انہیں علم نہیں کہ امراء اور غرباء سب ہی قوم کا مال کھاتے ہیں ورنہ منہ پر کہہ دیں کہ منہ بند رکھو ڈاکٹر

جو بیمار سے فیس لیتا ہے۔ وکیل جو پھنسے ہوئے سے خرچہ لیتا ہے۔ کارخانہ دار اور زمیندار جو مزدور اور کسان کا خون نچوڑیں، کہاں بھلے ہیں۔ یہ تو ان سے اور بُرے ہیں جو چندہ لیں اور اپنے ضمیر کے مطابق دیانت داری سے کام کریں۔

سچ یہ ہے کہ اسلام کی سچی سوسائٹی میں نسبی اور اقتصادی اُونچ نیچ نہیں ورنہ طبقاتی جنگ ناگزیر ہوتی۔ مومنین کی جماعت جو آیات میں مخاطب ہے۔ وہ ہے جس نے بحکمِ حق سُود چھوڑ کر ذاتی مال ومنال کو تنگی اور فراخی میں خرچ کر کے سوسائٹی میں اقتصادی مساوات پیدا کی تھی۔ پس دنیا میں غلبہ حاصل کرنے کی وہی شرائط ہیں جن کا ذکر ان آیات میں موجود ہے۔ ان شرائط کو پورا کرنے والے مومن ہیں۔

ابتدائی چار خلافتوں کے بعد مسلمان سلاطین کا غلبہ رہا مگر وہ سلاطین اور امراء کا غلبہ تھا۔ اسلام کا غلبہ نہ تھا جو دنیا میں آج غالب ہیں۔ وہ ہرگز ان معنوں میں غالب نہیں۔ جس غلبے کا قرآن میں ذکر ہے وہ مومنین کا غلبہ ہے اور ہدایت یافتہ قوم کا غلبہ ہے، چند افراد یا خاندانوں کا غلبہ نہیں جو اُموی، عبّاسی اور دوسرے مسلمان سلاطین کو حاصل ہوا۔ مومنین کے غلبے میں حق وانصاف کا غلبہ ہے۔ نسل اور نسب چھوڑ کر کسی مذہب کا بھی غلبہ نہیں۔ وُہ تو سب کے لئے عادلانہ نظام ہے۔ اس کا باغی برباد ہوگا اور اطاعت کرنے والا امن پائے گا۔ یہ نہ ہوگا کہ انگریز کی سزا اور، ہندوستانی کی سزا اور یا ہندو کی سزا اور ہو اور مسلمان کی سزا اور ہو۔ ہر غریب بیت المال سے فائدہ اٹھائے گا ایسے امراء کے رحم پر بے یار و مددگار نہ چھوڑا جائے گا۔ پس بروئے قرآن اَعْلَوْنَ ہونے کے لئے قوم مسلم کو اپنی سیرت کو عمدہ صُورت دے کر آگے بڑھنا چاہئے۔ ہر غالب کو اَعْلَوْنَ سمجھ کر اس کے مومن ہونے کا فتوےٰ غلط ہے۔ جب تک غصّے پر فتح پایا اور

غلطیوں کو معاف کرنا اور فواحشات سے توبہ کرنا، سُود کے منافع سے پرہیز کرنا۔ تنگی اور فراخی میں مال کو خرچ کرنا نہ سیکھو گے۔ مومنین کی فہرست میں نہ آؤ گے۔

اس کے علاوہ عشقِ الٰہی کی اور منزلیں ہیں۔ کثرتِ ذکر اور استغفار کو پیشہ بناؤ کہ اللہ رحم کر کے قربانی کے اگلے پروگرام کو آسان بنا دے ۰:۰

(۷)

دنیا کی ظفر مندیوں کا کون آرزومند نہیں لیکن بوالہوس کی عشق پرستی سر کا نذرانہ دیئے بغیر پریم پیالہ پینے کی خواہشمند ہے، جنگِ اُحد میں جب بیگانوں کے ہاتھوں اپنوں کے سرتن سے جدا دیکھے اور بعض کمزور طبیعتوں کے دلوں میں ہول سی اٹھی تو قرآن نے تنبیہ کی۔ اگر تم نے زخم کھایا ہے تو تمہارے دشمن نے بھی ایسا ہی صدمہ اٹھایا ہے۔ تم نے اُحد میں شکست اُٹھائی۔ مخالف بدر میں برباد ہوا۔ ہر قوم کی قسمت میں اُلٹ پلٹ کر فتح شکست کے دن آتے ہیں۔ بڑی جنگ جیتنے کے لئے بہت سی چھوٹی لڑائیوں میں پسپا بھی ہونا پڑتا ہے۔ دنیا میں برتری بڑی جاں کاہیوں کا کام ہے۔ غریب جب ابھرنا چاہے، اسے چاہئے کہ زخم لگانے کے ساتھ ساتھ زخم کھانے کا دل و جگر پیدا کرے۔ جو قومیں خون کو دیکھ کر رو دیتی ہیں وہ جلد ختم ہو جاتی ہیں۔ زندگی کی کشمکش کو جو اپنے نقصان کے اندازوں سے پرکھے گا۔ کسی میدان میں اتر کر دشمن سے پنجہ آزمائی کی جرأت نہ کرے گا۔

اے عزیز! جنگ میں زنگ خوردہ دِل دھویا جاتا ہے۔ عزیز جب میدان میں آتا ہے تو دنیا کے سارے تعلقات کو خدا کی خوشنودی کے مندر میں بھینٹ چڑھاتا ہے۔ پھر لہرا لہرا کر قدم اٹھاتا ہے اور اٹھلا اٹھلا کر چلتا ہے۔ ہر بوالہوس کی یہ شان

کہاں کہ ہتھیاروں کی جھنکار کو رنگین رباب کی مست آواز سمجھ کر جھومتا آئے۔ عشق نا آشنا صوفی کی طرح دکھاوے کے لئے طبلے کی تھاپ اور راگ کے الاپ پر مُنڈی نہ ہلائے بلکہ محبّت کی مستی میں سرِ نیاز بے نیاز کے حضور میں نذرانہ لائے۔ شہرت اور سلطنت کے لئے نہیں۔ مال اور دولت کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی محبّت اور حق کی سربلندی کے لئے زخم اٹھانا ہر دنیادار کی قِسمت کہاں۔ ایسے لوگ اگر زندہ رہیں تو غازی، مر جائیں تو شہید۔ فرشتوں کی تحسین و آفرین کو چھوڑو۔ غازی کا قسم اللہ کھاتا ہے۔ شہید پہ خود قربان ہو ہو جاتا ہے۔ اللہ اللہ غازی کی کیا شان ہے جس کے گھوڑے کے سُموں کی قسم حق تعالیٰ کھاتا ہے۔ شہید کا درجہ دیکھو اپنے خون میں کپڑے ڈبو کر اور خون سے منہ دھو کر دنیا سے جب جاتا ہے تو اس کا یہ رنگ ڈھنگ اللہ کو پسند آتا ہے۔ اسی لئے کہا۔ اسے نہ نہلاؤ نہ دھلاؤ نہ کپڑے پہناؤ بلکہ اسی سُرخ جوڑے میں سُرخ رُو ہمارے حضور میں آنے دو!

کیا وہ ناپاک جو موت سے ڈر کر ہماری طرح کونوں میں چھپے بیٹھے ہیں ان کے برابر ہو سکتے ہیں۔ جو موت کی تلاش میں دشت و جبل کو روندیں اور دریاؤں کو چیریں تاکہ ان کا خدا ان سے خوش ہو اور ان کی جان عوام کے کام آئے۔ سب کام آسان ہیں مگر اس کی راہ میں جان دینا مشکل ہے۔ مال کا خیال اس راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ عیش پسندی منزلِ قربانی کی طرف بڑھنے سے روکتی ہے۔ امیر کے دل میں بھی جذبہ ضرور اٹھتا ہے مگر جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ ان لوگوں کی دولت ضبط کر لیتے تھے جو فضول مال کو جمع کرتے یا نام و نمود پر خرچ کرتے تھے۔ بیت المال کے علاوہ شخصی جائداد رکھنے والی قوم میں غازی اور شہید پیدا نہیں ہو سکتے۔ مال اور

مولا کی محبت ایک دل کی بستی میں نہیں رہ سکتی۔ محنت کر کے قوم کے خزانہ کو ہر وقت بھر پور رکھو اور اسے علم و ہنر پر صرف کرو۔ بچوں کی ایسی تربیت کرو کہ غازی اور نمازی بنیں اور شہادت کی اوّلین فرحتیں ڈھونڈیں۔ موجودہ حال قائم نہ رہے کہ قوم میں چند امرا ہوں اور باقی غربا ہوں اور ان کے امراء کے اشاروں پر غریب مسلمان غیر مسلم افواج میں بھرتی ہو کر مسلمانوں کے سینوں کو چھلنی کریں۔ قرآن اور حدیث میں مال کی مذمت پڑھ کر آدمی تھک جاتا ہے۔ ہر سورت میں اس کی بار بار تاکید سے سمجھ لو کہ شخصی امارت مذموم ہے، البتہ قوم کا خزانہ خالی نہ ہو۔ مبادا غریب مسلمانوں کو شیطان روزی کا لالچ دے کر دینِ حق سے بغاوت پر آمادہ کر دے اور غلط راستوں پر ڈال دے۔

اے عزیز! آخرت میں شہید مسلمانوں کی برات کا دولھا نظر آئے گا۔ یہ وہ بلند درجہ ہے جس کی آرزو نبی آخر الزماںؐ نے کی۔ شہید وہ بیج ہے جو مٹی میں مل کر قوم کی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ شہید بظاہر ناکام شخص کا نام ہے لیکن ساری کامیابیوں کا اسی کے سر سہرا ہے۔ وہ خود مر کر قوم کو زندہ کر جاتا ہے۔ یاد رکھو مومن شخصی طور پر ناکام ہوتے ہیں۔ عمر خدمتِ خلق اور راہِ مولا میں کام کرتے گزارتے ہیں مگر قوم کو مضبوط اور مالا مال کرتے ہیں۔ جب قوم میں قوم کی خاطر محنت اور مشقتیں برداشت کرنے والے کثرت سے پیدا ہو جائیں تو ملتِ اسلامی اور قوموں پر غالب ہو جاتی ہے۔ اللہ کی راہ میں زخم کھانے اور شہادت پانے کا ولولہ پیدا کرو۔ یہ انسانی خلوص کی آخری سرحد ہے۔

دنیا کے گلزار اور بھرے میلے کو جیتی جان ہمیشہ کے لئے چھوڑ جانے کا عزم کتنا مشکل ہے مگر مردِ مومن ان مشکلات پر اللہ کے نام کی برکت سے قابو پا لیتا ہے۔ میدانِ جہاد میں جاتے وقت وہ مال و املاک پر آخری نگاہ ڈالتا ہے۔ لختِ جگر پاؤں کو لپٹ جاتے

ہیں۔ پیاری بیوی پھوٹ پھوٹ کر روتی ہے۔ آہن سے ہزار درجہ مضبوط ان زنجیروں کو کوئی مردِ مومن ہی توڑ کر نکل جائے تو نکل جائے۔ گھر سے جو ہتھیار سج کر نکل جائے، وہ فتنوں سے مامون نہیں ہو جاتا بلکہ گھر کی دوری سے ناصبوری اور بڑھتی ہے کا ہ و دیوار کا نقشہ میدان میں آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ بچے بلک کر روتے نظر آتے ہیں بیوی ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑی دکھائی دیتی ہے اور زبانِ بے زبانی سے کہتی ہے کہ "ہم سب کو کس کے سہارے پر چھوڑ چلے"۔ اس لئے جنگ کی آرزوؤں میں جن کی عمریں کٹی تھیں ان کا بھی حوصلہ جواب دے جاتا ہے۔ سر دینے جاتے۔ سر درد کا بہانہ کر کے گھر لوٹ آتے ہیں۔ ہنسی خوشی جانا اور میدان سے زندہ لوٹ کر نہ آنا ایسی سعادت ہے جو ہر شخص کی قسمت میں نہیں کی جاتی۔ ع

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

مگر یہ سعادت کیا بارش کے قطروں کی طرح ہر کس و ناکس کے سر پہ بے ساختہ طور پر گر پڑتی ہے؟ نہیں، شہادت، نبوت کے بعد نعمت کا اتمام ہے۔ اسی کے سپرد ہوتی ہے جو اپنی سیرت اور کیریکٹر کو سچے موتی کی طرح پاک صاف اور آبدار بنا کر خدا کی قبولِ خاطر کے لئے محفوظ رکھتا ہے۔ عمر کو عیاشیوں کی نذر کرنے والا، خود ہی بات کا بتنگڑ بنا کر ناراض ہو جانے والا، دوسروں کے عیب کو اُجاگر کرنے والا۔ مال کی محبت میں اندھا ہو جانے والا اس بڑے انعام کا مستحق نہیں ہوتا، نہ وہ غازی بنتا ہے نہ شہید ہوتا ہے۔ غزا اور شہادت ان لوگوں کی قسمت میں ہے۔ جو غصے پر قابو پائیں۔ گناہوں کو معاف فرمائیں۔ سود سے باز آئیں۔ شخصی جائیداد کو قوم پر قربان کر کے سب کے برابر ہو جائیں۔ مخلوقِ خدا کی خدمت کے بے پناہ جذبے کی نہ صرف دل میں

پرورش کریں بلکہ غریب اور بے زبان طبقے پر احسان بے پایاں کر کے اللہ کے نزدیک محسن بن جائیں۔

ذکرِ حق کو معمولی نہ سمجھو۔ نیک ارادوں کے ساتھ اللہ کے ذکر اور گناہوں سے توبہ کو شامل رکھو۔ شاید سچے غازی اور شہید کے رُتبہ کو پہنچ جاؤ۔ ذکرِ الٰہی کے بغیر نیک ارادے پر دل دیر تک قائم نہیں رہتا۔ نیکی کا راستہ ذکر و استغفار کے ساتھ ہی وادی گلریز نظر آتا ہے، ورنہ نیکی بڑی مشکل منزل ہے۔ اس راستے پر تھوڑی دُور چل کر طبیعت اُکتا جاتی ہے۔ انسان کہتا ہے زندگی کی مشکلات میں پڑنا میرے لئے ہی کیا ضرور ہے، میری طرح اور بھی تو ہیں۔

ہندوستان میں غلامی نے شہادت کی راہیں مشکل اور مسدود کر دی ہیں کیونکہ پابندِ سلاسل کے ہاتھ پاؤں کی زنجیریں کٹیں تو کوئی سر کٹانے کے لئے بڑھے۔ غلامی میں دل کی دھڑکن بڑھ جاتی ہے، بزدلی جان کو ناکارہ بنا دیتی ہے۔ غلام قوم میں غلط غیرت اپنے بھائی کی غلطی پر گلا کاٹنے پر آمادہ کرتی ہے مگر غیر بے عزّت بھی کرے تو شکوہ نہیں ہوتا۔ آجکل برادریوں میں جنگ کا باعث یہی ہے۔ تھانے کے سپاہی اور تحصیل کے چپراسی سے جُوتے اور گالیاں کھا کر بھی شکایت نہیں لیکن کسی عزیز کی لغزشِ زبان کی بھی برداشت نہیں۔ خانہ جنگی کو بہادری سمجھا جاتا ہے مگر قوم کے لئے قربانی میں سو رخنے ڈالے اور ہزار عیب نکالے جاتے ہیں۔

عام طور پر جس قوم میں بوالہوسی حسن پر چلتی ہے اور جو سرمایۂ عصمت کی جنس کو بے روک ٹوک خریدتی ہے وہ قوم سچے سپاہیوں کی پود پیدا نہیں کر سکتی۔ پس جہادِ زندگی کی اوّل منزل یہ ہے کہ قوم میں مالی مساوات، آپس میں عفو و درگزر۔ مخلوقِ خدا

کی خدمت کا جوش اور ان پر احسان کا جذبہ، فواحشات سے پرہیز، کثرتِ ذکرِ حق جس سے قوتِ عمل پیدا ہو۔ ان اوصاف کی حامل ملتِ اسلامیہ کی راہ میں کوئی چیز رکاوٹ بن کر نہیں ٹھہر سکے گی۔ غریب افراد بھی محبت سے قوم کا خزانہ بھر دیں گے۔ باعمل قوم کا خزانہ بھرپور ہوگا تو علم و ہنر میں اضافہ ہوگا۔ سائنٹیفک ترقی میں کوئی قوم لگّا نہ کھائے گی۔

قوم کو ان راہوں پر لگانے کے لئے اپنی جان کو مصیبت میں ڈالنے والے لوگ جب کبھی قوم کو خطرہ سے نکالنے کے لئے اسلحہ سج کر نکلتے ہیں تو ان کا سر قبول کر لیا جاتا ہے ان کی گردن کے سُرخ خوُن سے جنت کے پھولوں کی بہار ہے۔ وُہی حُوروں کے حُسن کا غازہ ہے ان کے یتیم بچّوں کے آنسوُوں کے موتیوں سے بہشت کے وہ محل تیار ہوتے ہیں جن کی خوب صورتی پر نگاہ نہیں ٹھہرتی۔ ان شہیدوں کی پاک بیبیوں کا اُجڑا سہاگ ہی بہشت کی روشوں کو رنگِ بہار دیتا ہے۔ غرض خلد کی ساری خیر و خوُبی، شہید کے خون کی سُرخی، اس کے یتیموں کے آنسوُوں کی روانی اور اس کی بیوہ کی مانگ کے سیندور کی جھلک ہے۔

راہِ حق یعنی دنیا میں عادلانہ اور مساویانہ نظام کے لئے لڑ کر مرنے والے شہیدوں کے پاؤں کی خاکِ پاک کی قسم یہ نعمت ان ہی کو ملتی ہے جن کے حُسنِ عمل اور خدمتِ خلق سے خدا خوش ہوتا ہے۔ خدا کی خوشنودی سوندھا سوندھا حلوا نہیں بلکہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ یہ تو عمل کی عمدہ تدبیر سے ہی حلق سے نیچے اترتی ہے۔ شہادت کی امنگ ہے تو عمل کو عمدہ اخلاق کی بنیاد پر استوار کرو۔ دنیا میں اخوت اور کامل مساوات کے لئے سردھڑ کی بازی لگانے کے لئے نکلو، شاید موت کی تلاش کرتے کرتے شہادت کی زندگی مل جائے۔

(۸)

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ؕ

کیا تم سمجھتے ہو کہ (بے آزمائش) بہشت میں جا داخل ہو گے (حالانکہ) ابھی خدا نے تم میں سے جہاد کرنیوالوں کو تو اچھی طرح معلوم کیا ہی نہیں اور (یہ بھی مقصود ہے کہ) وہ ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کرے۔

مُورکھ مُلّا جو صرف نماز اور روزہ کو اسلام کا طول و عرض سمجھتا ہے۔ صوفی جو ذکر و شغل کو دین کی ساری عمارت قیاس کرتا ہے۔ امیر جو چار غریبوں کا ہاتھ دھلا کر اپنی جُود و سخا پر اکڑتا ہے خدا کے مُنہ کی بات کو سُن لیں۔ بہشت کا انعام حاصل کرنے کے لئے از بس آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا۔ انعام یافتہ وہ نہیں جو اس دنیا میں مسندِ زریں پر تکیہ لگائیں۔ دولت اور حُسن لونڈی غلام کی طرح ہاتھ باندھے سامنے کھڑے ہوں بلکہ وہ ہیں جو ملّت کی مصیبت اپنے سر لیتے ہیں اور ان کی خاطر سر دیتے ہیں مصیبت کے پہاڑ جان پر توڑے جاتے ہیں مگر وہ سہہ لیتے ہیں۔ نیکی کا خیال تو میرے جیسے کے تاریک دل کو اپنے نُور سے اجیالا کرتا ہے مگر جب نیک ارادوں کو شروع کرتا ہے تو راستہ کٹھن نظر آتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کا مرتبہ تو مسلّم ہے لیکن تنگی اور ترشی میں ساری عمر قوم کے لئے تعمیری کاموں میں لگا کر طعنۂ خلق سن کر ہمّت نہ ہارنے والے، بوریوں پر بیٹھ کر قوم کے اخلاق کی تربیّت کرنے والے اور جہاد کا سامان فراہم کرنے والے جنگ کی تدبیروں کے لئے عقل کو اُلجھنوں میں ڈالنے والے جب اپنے پاک ارادوں کی کامیابی میں مشکلیں اٹھاتے نہیں گھبراتے اور ہر تکلیف اور

مصیبت کے بعد نئے عزم سے کام شروع کر دیتے ہیں۔ وہ صابر کہلاتے ہیں۔ ان لوگوں کا جسم زخمی نہیں ہوتا بلکہ اپنی قوم کے ہاتھوں دِل زخمی ہوتا ہے مگر جتنے چرکے دل پر لگتے ہیں۔ اتنا ہی قلب میں اطمینان زیادہ ہوتا ہے۔ بڑھاپے میں بھی ان کا دِل جوان ہوتا ہے۔ چاہتے ہیں کہ فرصت ملے دین اور اہل دنیا کی اور خدمت انجام دے لیں۔ گو باوجود تلاش کے ان کو جہاد کا موقعہ نہیں ملتا لیکن اس کی تیاری میں ہر وقت لگتے رہتے ہیں۔ پیٹ پر پتھر باندھ کر اور بیوی بچوّں کا پیٹ کاٹ کر جدید اسلحہ فراوانی سے فراہم کرنے میں مشغولِ رہتے ہیں۔ قوم کے بچوّں کو اسلحہ سازی کی تعلیم دلاتے ہیں۔ ان کی زندگی بظاہر سخت ناکامی کی زندگی ہوتی ہے۔ ان کا دن استروں کی مالا پہنے اور رات کانٹوں کے بستر پر بسر ہوتی ہے۔ مگر حرفِ شکایت زبان پر نہیں آتا۔ توبہ و استغفار اور حمد وثنا کے سوا کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکلتا۔

جنت اور جہنم تو اے عزیز انسان اپنے عمل سے ہی بنا لیتا ہے اوّل شہید پھر غازی یعنی مجاہد۔ اس کے بعد صابروں کا درجہ ہے۔ اللہ نقصانِ جان و مال اور اولاد سے انسان کو آزماتا ہے۔ جو ان سارے نقصانات کو خاطر میں نہ لاکر اس کے راستے میں بڑھے چلا جاتا ہے اور دوست و دشمن کے لئے ایک عادلانہ حکومت اور مساویانہ نظام بنانے میں مال۔ وقت اور جان کو کھپاتا ہے۔ وُہ اللہ کی خوشنودی حاصل کر کے اطمینان کی جنّت میں جا بستا ہے۔

وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ

(اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔)

محسن کی محبت کے اقرار اور ظالم کے پیار سے انکار پر خدا کو اصرار ہے۔ اسی لیے شہادت کے انعام کے ساتھ ہی تنبیہ کر دی کہ خدا ستمگاروں کا ساتھی نہیں۔ وہ اعمال جن کا محور مخلوق کی محبت اور خدمت نہیں خوشنودیٔ خالق کا باعث نہیں۔ کیا ہر جان ہار بہشت کا سزاوار ہے۔ ہرگز نہیں۔ یزید کی فوج میں شامل ہو کر امام حسینؑ سے لڑنا ایمان کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ جہاد تب تک پاک عمل ہے جب تک عادلانہ نظام کے قیام کے لئے ہو۔ ایسے نظام کی معاونت میں زخم کھانا زخم لگانا جس کا نتیجہ امراء کی قوت اور شخصی سلطنت ہو جہاد نہیں۔ یہ بات لوحِ دل پر لکھ لو کہ دولت کو ہمدردی سے نفرت ہے اور طاقت کو انصاف سے دشمنی ہے۔

عادلانہ نظام ہی مجاہدوں کی منزل ہے۔ اس میں دولت کو سب میں برابر تقسیم کر کے اور طاقت کو قاعدوں کی زنجیر میں باندھ کر اسے خوفِ خدا یعنی عقل کی نگرانی میں رکھنا ہوگا۔ اگر دولت برابر تقسیم نہ ہوگی تو امیر عقل کو خرید لے گا اور عقل کے ذریعے طاقت کو قاعدوں کی زنجیروں سے آزاد کر کے غریب آزادی کے کام

میں لائے گا۔ مصیبت یہ ہے کہ غریب آزاری کا کام بھی غریب ہی سے لیا جاتا ہے۔ انگریزی کے اس زریں مقولہ کو موٹے حروف میں لکھ کر ہمیشہ سامنے رکھو۔ کہ

"قانون غریب کو پیستا ہے اور امیر قانون پر حکومت کرتا ہے"

عقل میں انصاف کی اگر کوئی اپنی صلاحیت ہوتی تو حضرت عیسیٰؑ جیسا بے گناہ اور پاکباز شخص فاضل جج کے قلم سے پھانسی کا حکم نہ پاتا۔ پس زر اور زور کو غریب عوام کے تابع کرنے والا شخص ہی سچّا مجاہد ہے زر اور زور سے ہی ظلم پیدا ہوتا ہے۔ قوم میں چند زردار اور زور آوروں کا ظہور ہی قوم کی نحوست اور بربادی کا باعث ہے۔

اسلام کے ابتدائی ۳۰ برس کے بابرکت زمانے میں عوام نے خلفاء کے خلاف دعوے دائر کئے اور انصاف پایا۔ اس کے بعد آج تک سلطنت اشخاص کے سپرد رہی۔ انصاف امراء کا پانی بھرنے لگا۔ قانون غریبوں کا کچومر نکالتا رہا۔ اِس لیئے جہاد کے ہر شائق اور شہادت کے ہر طالب کو قدم اُٹھانے سے پہلے یہ سوچنا چاہیئے کہ وہ نادانستہ امراء اور روساء کے فریب کا شکار ہو کر غریبوں پر اُن کی قوت کا باعث تو نہیں ہو رہا۔ جان بھی دی۔ جنت بھی نہ پائی۔ بلکہ تیغ زنی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ نئی کربلا میں ایک اور حسینؑ شہید ہو گیا۔ غرض ہر لڑنے والا مجاہد نہیں اور ہر مرنے والا شہید نہیں۔ شہید وہ جو سرکشوں کو نیچا دکھانے میں سر دے۔ تاکہ سب برابر ہو جائیں۔ اور کوئی سرکش نہ رہے۔ مجاہد وہ جو غریب کی بربادی پر آنسو بہاتا ہُوا نکلے اور زرداروں کی تباہیوں سے اُسے بچائے۔

اے عزیز! امراء کی چالاکیوں سے جان بچا۔ کیونکہ یہ غریبوں کے مذہبی اخلاص سے فائدہ اُٹھاکر غریبوں کی گردن پر ہی کند چھری چلا دیتے ہیں۔ امراء کی ہر آواز پر لبیک نہ کہو۔ بلکہ سوچو کہ کہیں فرعون حضرت موسیٰؑ کو فسادی بتاکر تمہارے ہاتھ سے قتل کروانا تو نہیں چاہتا۔ یزید خدا سے کھُلی بغاوت کے باوجود حسینؑ کو باغی قرار دے کر تمہارے ہاتھوں اس کا سر تن سے جُدا کروانا تو نہیں چاہتا!

زور اور زر میں زیادہ بلوان زر۔ کیونکہ یہ بھوکے عقلمندوں کی عقل کو بھی خرید لیتا ہے۔ روپیہ بڑی طاقت ہے۔ اس کی زیادتی روحانی ہلاکت کا گڑھا اور اس کی کمی انسان کو بھوکا بھیڑیا بنا دیتی ہے۔ جہاں اس کی کمی زیادتی ہوئی۔ وہاں ظلم نے سر اٹھایا۔ ساری انسانی تاریخ اسی چھوٹے سے فقرے کی تفسیر ہے۔ قوموں میں مال کی کمی زیادتی کو دُور کرنا ظلم کی جڑوں کو اُکھاڑنا ہے۔ اِس کے بغیر اخوت و مساوات کے دعوے فضول ہیں۔ بڑی قسمت ہے اُن کی جنہوں نے یزید اور فرعون کا ساتھ دے کر اُسے حق کی حمایت سمجھ لیا۔

جب چار خلفاء کے بعد امویہ خاندان کے افراد میں دولت اور سلطنت نے دین کی بنیادوں کو ہلا دیا تو نیک لوگ دولت اور سلطنت سے دل برداشتہ ہو گئے۔ سلطنت اور ثروت کی دلچسپیوں سے خود الگ ہو جانا کوئی بڑی خوبی نہیں۔ اِس لئے اہلِ ذکر نے تو بار بار غریبوں کو برسر اقتدار لانے کی سعی جاری رکھی۔ بعضوں نے یہ سمجھا کہ صرف خود غریب رہنا راہِ نجات ہے۔ اِس لئے غریبوں کے حق میں کوئی سعی مشکور نہ ہوئی۔ نتیجہ اور بُرا ہُوا۔ قوم میں غریب رہنے کا

جذبہ رہ گیا۔ مگر بیت المال جو اس کا نعم البدل تھا قائم نہ ہو سکا۔

لوگوں کو سیاسی۔ مجلسی اور اقتصادی مظالم سے بچانے کا واحد ذریعہ اقتصادی مساوات ہے۔ اگر قانونی طور پر یہ مساوات قائم نہ ہو سکے تو مسلمان غربار کو چاہیئے کہ وہ ہمّت کریں اور زیادہ سے زیادہ محنت کر کے تھوڑا تھوڑا بچا کر اپنی تعمیرِ زندگی کے لئے ایک بڑا مشترکہ فنڈ فراہم کریں۔ امراء کے فریب سے بچیں اور اپنے دل میں یقین اور اعتماد پیدا کریں کہ غریبوں میں ہی ایمان اور صلاحیت ہوتی ہے جس ملک میں جتنے لوگ بڑی جائیدادیں فراہم کر کے امیر بن بیٹھتے ہیں اسی نسبت سے لوگ غریب ہوتے جاتے ہیں اور ان کے عمدہ اخلاق میں کمزوری آتی جاتی ہے۔ متمدّن ملکوں کے مزدوروں کی زندگی خانہ بدوش لوگوں کی زندگی سے کہیں زیادہ تلخ ہوتی ہے۔

غرض زور اور زر دونوں کی زیادتیوں سے بچنا چاہیئے۔ یہ نہ ہو کہ تم جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت میں حد سے بڑھ کر بے گناہ بچوّں اور عورتوں پر مظالم کرو۔ ڈرو اس جوش اور غصّے سے جس کا شکار مظلوم ہوں۔ جہاد صرف غریبوں کے نظام کو بروئے کار لانے کے لئے ہے۔ شہادت صرف مظلوموں کو بچانے کے لئے ہے۔ امیروں کے ایجنٹ بن کر غریبوں پر تلوار چلانا جہاد اور سلاطین کی خدمت کرتے مارے جانا شہادت نہیں ::

سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیمْ

دریا کے کنارے اور پانی کے دھارے کے نظارے میں کلیوں کی ہنسی اور پھولوں کے قہقہے میں ہی خدا نظر نہیں آتا۔ بلکہ بابو لو ریت ٹوٹے ہوئے دلوں کی آہوں، بیوہ عورتوں کے آنسوؤں اور برباد آرزوؤں میں بھی خدا کار فرما دکھائی دیتا ہے۔ آنکھ کھول کر یا نظر بند کر کے کارخانۂ قدرت پر غور کرو۔ ہر طرف حسن و جمال کے نظارے بکھرے پڑے ہیں - اس کی خدائی کا رعب و جلال سر بفلک پہاڑوں اور طوفان خیز سمندروں سے ہی ہویدا نہیں۔ بلکہ رائی پہاڑ سے قطرہ سمندر سے زیادہ اس کی عظمت کے گواہ ہیں۔ ماں کی شیریں مامتا اور پردیسی پیا کی یاد بنکر اداس دلہن کے دل میں کون بیٹھا دنیا کی دلچسپیوں میں اضافہ کر رہا ہے۔ بچوں کی معصوم مسکراہٹ میں کون چھپا ماں باپ کے دل میں رنگ برسا رہا ہے۔ تم جذب و مستی میں ہمہ اوست کہو۔ یا عقل میں رہ کر ہمہ از اوست کہو لیکن ہر دل کی بستی میں سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیمْ کی دھوم مچی ہے۔ ارض و سما کی محفل میں اسی کا چرچا ہے۔ انسان ظاہر کی آنکھوں سے بعض چیزوں کی عظمت و شوکت دیکھ کر جھک جاتا ہے۔ لیکن جنہیں

تدبّر و تفکّر کی دولت عطا ہوئی ہے وہ اِن سب چیزوں کو پروردگار کے رعب و جلال سے جھکی دیکھتے ہیں۔ ندیاں اُس کے گن گاتی ہیں۔ آبشار اسی کی محبّت میں سرمست ہو کر سر پتھروں سے مارتے ہیں۔ بہار دونوں ہاتھوں سے خوشبوئیں لٹا لٹا کر اسی پر کلیوں کی تر و تازگی اور پھولوں کی شگفتگی نثار کر رہی ہے۔ سورج چاند اور ستارے جھلک جھمک کر اسی کی خیر و خوبی کا اقرار کرتے ہیں۔ جتنی جو چیز پُرشوکت اتنی ہی اس کی عظمت پر شاہد۔ ذرا غور کی آنکھوں سے دیکھو۔ ہر چیز اسی کے آگے جُھکی، اسی کی بڑائی بیان کر رہی ہے اور زبان حال سے سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیم پکار رہی ہے۔

اللہ مہربانی میں سب کا سانجھا ہے۔ رحمت مانگو سب کے لئے مگر محبّت میں اپناؤ الگ الگ۔ دعاؤں میں اِسے سب کا خدا کہو۔ تعریف میں اُسے اپنے لئے مخصوص کرو۔ محبت میں سب کو شامل کرنے سے یوں بھی بات پھیکی پڑ جاتی ہے۔ اس کو سب کے لئے اپنانا خود غرضی نہیں بلکہ محبّت کا میٹھا مزا ہے۔ ماں کی آغوش کو زینت دے کر بچّہ ماں کی طرف دیکھ کر پیار سے کہتا ہے۔ ماں تو میری ماں ہے نہ؟ اس وقت وہ ماں کی محبّت میں سرشار ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ میرے بہن بھائی اور بھی ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ ماں کی محبّت کو صرف اپنے لئے خاص کر لینا چاہتا ہے بلکہ وہ اس کا خاص ہو جانا چاہتا ہے۔

پس اے عزیز! جب تو رکوع میں جھکے تو سرمست ہو کر اپنا رب کہہ کر اس کی تعریف کا آغاز کرے۔ اللہ کی تعریف کرنا اس کی اوٹ لینا ہے۔ جو سچّے دِل سے اس کی اوٹ میں آیا۔ اس سے دُکھ دُور بھاگا۔ سچّا سکھ چین حاصل

ہوًا۔ نیک کام کے لئے اِس کی ہمّت بلند ہو جاتی ہے۔ گناہ دور بھاگتے ہیں۔ بھلائی کے راستے آسان ہو جاتے ہیں۔ بعض عبادت کو تضیعِ اوقات سمجھتے ہیں۔ جب عبادت کی بنیاد محبت نہ ہو تو تضیعِ اوقات ہی ہے۔ دل میں گھمنڈ رکھ کر رکوع و سجود کس کام کے! جب تک بچے کی طرح خدا کی اوٹ کو ماں کی گود کی طرح آسودہ نہ سمجھ لے اور خلوصِ دل سے اس کی پکار نہ کرے تب تک عبادت میں کیا دھرا ہے! عبادت تو لفظوں میں دلی محبّت کا اظہار ہے۔ مکاری کی عبادت اور ریا کے سجدے خواہ دنیا داروں کی نظر میں کتنا ہی اعتبار پیدا کیوں نہ کریں مگر یہ روح کی بربادی ہے۔ سچی عبادت روح میں بالیدگی پیدا کرتی ہے اور شیطان کے حملوں سے محفوظ کرتی ہے ❊

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ ط رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ط

آدمی کی اللہ کے حق میں جلد بازیاں ضرب المثل ہیں ۔ دس دن نماز پڑھ کر بیوی سے پوچھنا شروع کر دیتا ہے کہ ذرا غور کی نظر سے دیکھو میرے چہرے پر نور برسنا شروع ہوا یا نہیں ؟ جس نے ایک سال نماز پڑھ لی وہ ولایت کا مدعی ہو جاتا ہے ۔ بدہضمی کے باعث پریشان خوابوں کو بشارت سمجھ کر فخریہ لوگوں کو بتاتا ہے ۔ تاکہ غیب سے خبر پانے کا رنگ دینا پر جم جائے ۔ کبھی کبھی تھوڑے جوگی اور فقیر کی طرح سراپ دے کر لوگوں کو مرعوب کرنے لگتا ہے یا جھوٹے پیروں اور صوفیوں کی طرح برکت اور دعا دے کر نذرانہ وصول کرتا ہے ۔ وہ دنیا کو بھی لوٹتے ہیں اور خدا سے بھی نقد اُمید رکھتے ہیں ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

وہ نہیں جانتے کہ خدا سے جتنا قریب آؤ ۔ اتنا امتحان مشکل ہو جاتا ہے ۔ جب دین کی دولت ملتی ہے تو دنیا کی دولت چھین لی جاتی یا خود اپنے اوپر حرام

کر لی جاتی ہے۔ جن کی چھین لی جاتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ خدا بہرہ ہے۔ اگر سنتا ہے تو الٹی سمجھتا ہے۔

میراثی نے دعا کی۔ داتا مجھے چڑھنے کو گھوڑے دے۔ گاؤں کے زمیندار کی گھوڑی نے کہیں سرِ راہ بچہ دیا۔ زمیندار کھڑا سوچتا تھا کہ کوئی چمار بیگار میں مل جائے تو اس سے بچے کو اٹھوا لے جائے۔ ناگاہ زمیندار کے لئے حقیقتِ منتظر بنا یہ میراثی غریب پہنچا۔ اس کے سلام کے جواب میں چودھری نے حکم دیا کہ اسے اٹھا لے چل! حکمِ حاکم مرگِ مفاجات۔ انکار کی جرأت کہاں تھی۔ غریب میراثی گھوڑی کے اس بچے کو اٹھا کر چلا۔ بوجھ تلے مر رہا تھا اور خدا سے شکوہ کر رہا تھا کہ تو خوب خدا ہے۔ ایسی الٹی سمجھ کا مالک کہ مانگی تھی چڑھنے کے لئے دے دی اٹھانے کے لئے!

یہ تو ہوا افسانہ اور ملکی روایت بعض مخلص لوگ نتیجہ دعاؤں کے خلاف پا کر خدا کے سمیع ہونے پر شبہ لگتے ہیں۔ مگر نہیں سوچتے کہ تمہارے سننے کے بعد وہ تمہاری مرضی کے مطابق ماننے کا پابند کیونکر ہے۔ ممکن ہے کہ وہ دعا اور خواہش جو بڑی زاری سے کر و وہ تمہارے لئے مفید نہ ہو۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ خدا تو بار بار اس جہان کو اگلے جہان کی کھیتی بتاتا ہے۔ کہ محنت یہاں کرو اور اجر وہاں پاؤ۔ جو نقد بہ نقد وصولی کا خواہاں ہے وہ مسلمان نہیں۔ کیونکہ اسے اسلام کے اصل اصول پر اعتقاد نہیں۔ اللہ کے انعام کے سارے وعدے آخرت کے لئے ہیں۔ یہاں کا انعام تو ضمنی ہے۔ اس کی صورت طمانیتِ قلب، کام میں ہمّت، اخلاق کی بلندی ہے۔ پس نماز اور عبادت کا نتیجہ ان باتوں میں ڈھونڈو اور دیکھو کہ

پہلے کی نسبت اب غریب اور کمزور کے لئے تمہارے احساسات زیادہ گہرے ہوئے ہیں یا نہیں! اور خدمتِ خلق کا جذبہ بڑھا ہے یا نہیں!!

اگر عبادت ہمسایہ کی بربادی کے لئے ہے تو اس میں وقت ضائع نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم اِس روائتی پٹھان کی طرح جس کے گدھے کی گھاس کسی ہمسایہ کی گائے کھا جاتی تھی۔ بددُعاؤں میں لگے رہو کہ خدا کرے اس کی گائے مرے اور مر جائے اپنا ہی گدھا اور اس کی طرح خدا پر الزام دو۔ کہ:

"چندیں سال خدائی کردی وگاؤ خر را نشناختی"

اے عزیز! وہ سنتا ہے اور سُن کر ورد کی دولت دل میں ڈال دیتا ہے۔ یہ دولت لعل و جواہر کے انباروں سے اچھی ہے۔ بیکسوں کی حمایت میں شکست پر شکست اُٹھانا اور آخری عمر تک اس حال سے نہ گھبرانا وہ رحمت ہے جو سچی عبادت اور دعا کا نتیجہ ہے۔ بے سمجھ دعائیں مانگتے ہیں کہ دنیا میں عیش و آرام ملے۔ خدا خدمتِ خلق اور حسنِ سلوک کا پاک جذبہ عطا کرتا ہے تا کہ بہشت کا وارث بنے وہ چند روزہ زندگی میں امن پا کر مطمئن ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن خالق یہاں قربانی کا خوگر کر کے انسان میں اہل جنت کے خصائص پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جنت میں وہ جائیں گے۔ جن کا دل دوسروں کے دکھوں کو دیکھ کر درد مند ہو جائے۔ کسی کو کانٹوں میں اُلجھا دیکھ کر بے قرار ہو جائیں۔ بے شک وہ دعاؤں کو سنتا ہے اور ہمارے عارضی نہیں بلکہ مستقل بھلے کی بات کرتا ہے لیکن انسان ہے کہ منہ مانگی مراد پوری کروانا چاہتا ہے۔ حالانکہ من مانی تو باپ بھی بچے کو نہیں کرنے دیتا۔ بچے کی خواہش اور باپ کی مصلحت میں اکثر

فرق ہوتا ہے۔ جو بچہ چاہتا ہے وہ ماں باپ کے خیال میں مضر ہوتا ہے۔ ہر بچہ چاہتا ہے کہ دن بھر کنکوے کبوتر اڑائے اور مدرسے نہ جائے۔ مگر ماں باپ کو بچے کی یہ تن آسانی گوارا نہیں۔ وہ اس کو مدرسہ کی مصیبت میں ڈالتے ہیں تاکہ اس کی زندگی سنورے۔ ماں باپ کا حکم بچے کی خواہشات کے اکثر برعکس ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا کی مشیت جب ہماری خواہشات کے خلاف ہو تو یہی سمجھنا چاہیئے کہ کارساز نے کچھ بھلی ہی سوچی ہے۔ میں اپنی خواہشات کی پیروی کیوں کروں۔ خدا کی مہربانی پر اعتماد کیوں نہ کروں۔

عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۞

عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو۔ اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو۔ اور ان باتوں کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ تم نہیں جانتے۔

آؤ شکوک و شبہات کو چھوڑ کر اللہ کے رحم کو اُس کی تعریف سے بیدار کریں اس کی تعریف کے بغیر اور کون سی میٹھی بانی ہے ! سب جاندار اپنی زبان میں اُسی کے گن گاتے ہیں، اسی لئے اہل حق ہمیشہ شبہ کی میل کو اس کی حمد کے پانی سے دھوتے رہتے ہیں۔ وہ کثرتِ عمل، اعلیٰ اخلاق اور مخلوق خدا کی بے پایاں محبت کے باعث اپنی دعاؤں کا جواب سُن کر تسلی پاتے ہیں ۔

سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی

عقل جو اپنی بڑائی کی بڑ ہانکتی ہے اور علم کے ذریعے ہر چیز کا احاطہ کر بنا چاہتی ہے۔ جب کائنات کی کنہہ کو نہیں پہنچ سکتی اور سوچ سوچ کر حیران ہو جاتی ہے تو سرِ سجدہ میں ڈال کر اپنے عجز کا اعتراف کرنے لگتی ہے۔ جب زور آوروں کی جیتی دنیا کو جیت کر بھی دنیا کی خوشیوں کی مالک نہیں ہو سکتی۔ عزیزوں کی بیوقت موت سے جب دل ٹوٹ جاتے ہیں یا جب جوانی کے پربہار موسم پر پیری کی خزاں چھا جاتی ہے یا اور گھر کے جھگڑے دِل کی دنیا بدل دیتے ہیں اور آدمی خود کو بے آسرا محسوس کرتا ہے۔ عقل ہزار انکار کرے لیکن دل خود بخود ایک نادیدہ سہارا تلاش کرتا رہتا ہے۔ عقل کہاں ہے کہاں ہے؟ کہتی رہتی ہے۔ دِل یہاں ہے، یہاں ہے! کہتا ہے۔ گویا کسی کے پاؤں پڑ کر طلبِ استعانت کرتا ہے۔ دلیل کی طلب دماغ کا خاصّہ ہے اور دل عبادت کے بغیر کائنات میں کچھ کمی سی محسوس کرتا ہے۔ وہ سجدے جو بے سہارا محسوس کر کے خدا کے نادیدہ کے سہارے کی اُمید میں کئے جائیں انمول چیز ہیں۔ غریب کے ایسے سجدوں سے زور آور کو ڈرنا چاہیئے۔ اکثر دفعہ اُن کی آہوں کا دھواں مصیبت کے بادل بن جاتا ہے اور ان کو گھیرے میں لے لیتا ہے۔ جو کمزور کی کمر کو توڑنے کے درپے رہتے ہیں۔ کمزوروں کی سجدوں میں پکار زور آوروں پر اللہ کی مار بن جاتی ہے۔ بے مددگاروں

کو سہارا مل جاتا ہے۔ گناہوں سے برباد دل کو اوٹ مل جاتی ہے۔ روٹھا ہوا خدا پھر راضی ہو جاتا ہے۔ جب کوئی سر سجدے میں رکھتا ہے۔ یہ خاکساری اس کو فرشتوں کے برابر کر دیتی ہے۔ مغرور لوگ حسن والوں کے حضور میں جھک جائیں گے یا اربابِ اقتدار کی خدمت میں سر کو خم کرلیں گے۔ کئی بیوی بچوں کی محبت سے عاجز آجائیں گے لیکن خدا کی محبت کا انوکھا غرور سجدوں میں سرور پیدا کرتا ہے ٹوٹی ہوئی ہمتیں بندھ جاتی ہیں۔ ناشاد دلوں میں امن اور سکون کی لہریں اٹھتی ہیں۔ بے ریا سجدوں کی عبادت کے بغیر یوں معلوم ہوتا ہے گویا انسان جیٹھ کے مہینے میں بغیر سائے کے زندگی کا سفر طے کر رہا ہے، وہ جس کے دل میں عبادت کا نور اور خدمتِ خلق کی سعادت ہے۔ وہ دشوار کو پھولوں کی سیر سمجھتا ہوا جاتا ہے۔ مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ آہوں کی بجائے ولولے پیدا ہوتے ہیں۔

سجدوں میں آدمی کو اپنے عجز کا اعتراف ہوتا ہے۔ کیا انسان اور کیا اس کی لن ترانیاں معمولی قبض یا سر درد ہو جائے تو نبضیں چھوٹنے لگتی ہیں۔ ذرا چوٹ لگ جائے۔ دن کو تارے نظر آنے لگتے ہیں۔ دن میں بیسیوں بار اپنی بے کسی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ باوجود اس کے اگر کوئی اپنی حماقتوں پر اصرار کرے تو گردن مروڑ کر کوئی کیوں نہ کہے کہ یوں شاید تیرا دل زندہ ہو جائے اور تو حقیقی زندگی کو پالے۔

اس عظمت والے اللہ کی عبودیت کا بار بار اقرار اور ہر لمحہ خدمتِ خلق کے ذریعے اس کا اظہار ہی سچی زندگی ہے۔ ادھر سے اکتائے ادھر جائے۔ اُدھر

سے اکتائے ادھر آئے۔ پس خالق کی عبادت اور مخلوق کی خدمت میں تگ و دو ہی حاصلِ زندگی ہے۔ سجدے عبودیت کی آخری سرحد ہیں۔ دل کا اضطراب سجدوں کی جان ہے۔ مضطرب ہو کر مانگو اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرو۔ یہی انسان کے لیے سب مرادوں سے بڑی مراد ہے۔ اللہ کی خوشنودی اطمینان کی جنّت ہے۔ جس پر خزاں اپنا سایہ نہیں ڈال سکتی۔

بار بار سوچو۔ کائنات کی وسعت میں ایک شخص کی کیا حیثیت ہے؟ قدرت کی گوناگونی اور فطرت کی بوقلمونی پر غور، یہ غرور کو سر سے نکالنے والا عمل ہے جتنی جس کی عقل اتنی اس کی حیرت۔ دنیا کا سب سے بڑا دانا جب قدرت پر غور کرنے لگتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا کوئی گاؤں کا گنوار اچانک لندن میں آگیا ہو اور حیرت کی انتہا میں ہر اچنبھا چیز کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اور منہ کھول کھول کر دیکھتا ہو اور ہر چیز کو وہ اپنی عقل و فکر سے دُور پاتا ہو۔

اے عزیز! کارخانۂ قدرت پر غور کر! تاکہ عبادت کا لطف اور سجدوں لذت حاصل ہو۔

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبٰتُ اَلسَّلَامُ
عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَکَاتُهٗ ط
اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ ط
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ
اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ط

زبان سے اللہ کے گن گانا بعض کے نزدیک نیکی کی انتہا ہے بعض جسم پر صدمے سہہ لینے کو عبادت کا کمال سمجھتے ہیں بعض مال کو محبوب کا نذرانہ بنا کر اس کی خوشنودی کی جنّت خرید لینا چاہتے ہیں۔ دنیا نے اکثر دیکھا کہ زبان کے غازی تیغ کے دھنی کی کوئی قدر نہیں جانتے۔ مجاہد مال اور قول سے دین کی خدمت کرنے والوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ غنی لوگ زبان اور جان کے کارناموں کی کوئی قیمت نہیں سمجھتے۔ لیکن اسلام کا فلسفہ حیات دوسرا ہی ہے۔ نہ قولی عبادت جان و مال کی قربانی کے بغیر معتبر، نہ جہاد ذکرِ الٰہی کے بغیر نتیجہ خیز۔ نہ مال کا ایثار ذکر اور جہاد کے بغیر کافی مالک کی عبودیت بیک وقت تین تقاضوں کی تکمیل چاہتی ہے۔ مال زبان اور جان ایک ہی وقت میں اللہ کی دین ہے۔ یہ سب چیزیں اسی کے لئے وقف رہنی چاہئیں۔

دل دنیا کا سرسری جائزہ لے کر کہتا ہے۔ کہ اس پلڑے کون پورا اترا! لیکن جب غور سے یتیم، غریب کی زندگی کا مطالعہ کیا تو منشائے ایزدی اور سیرتِ محمدیؐ میں ذرا بھر فرق نہ پایا۔ دیکھو جب سرداروں کا سردار نمازوں سے فارغ ہؤا، گھر لٹایا اور تلوار ٹیک کر اٹھا جسم پر گہرے گھاؤ برداشت کئے۔ وجدان نے سرمست ہو کر بے تابانہ کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

یہ کلمات تو تحسین و آفرین کے قائم مقام تھے۔ دنیا کی زبان میں حبذا و مرحبا نہ کہا۔ دین کی پیاری زبان میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ کہہ دیا۔ یار لوگوں نے اسی پر حاضر و غائب

کی بحث چھیڑ کر اُمت میں ناسمجھی سے فتنہ پیدا کر دیا۔ حالانکہ ہر اہلِ علم جانتا ہے کہ اپنے پسند کی کتاب میں تحریر پا کر مطالعہ کرنے والا خوشی سے اچھلتا ہے۔ دُور بیٹھے یا مرے ہوئے مصنّف کا نام لے کر صد رحمت کہتا ہے۔ پڑھنے والے کے ذہن میں حاضر و غائب کی بحث نہیں ہوتی۔ وہ تو اس کی خوبیٔ تحریر کا والہانہ اعتراف ہے۔ جب مسلمان نبی کریمؐ کو مال، جان اور زبان سے مولا کی عبادت گذاری کا مکمل نمونہ پاتا ہے۔ بے خود ہو کر قربانت شوم یا رسول اللہ پکار اٹھتا ہے۔ تحسین و آفرین میں کسی غائب کو حاضر پکارنا ادبی رنگ ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ دل کی والہانہ عقیدتوں کے بے ساختہ اظہار اور زبان کی ادبی خوبیوں پر کسی شرعی مسئلہ کی بنیاد رکھنا کیسی نادانی ہے! مگر یہ نادانی ہماری مذہبی زندگی کا جزو ہو گئی ہے۔

تم دین کے ان ٹھیکداروں کو لفظی بحثوں میں پڑے رہنے دو۔ دیکھو کہ کس خوش اسلوبی سے مال اور جان اور زبان کی عبادتیں پاک محمدؐ کی جان میں سموئی ہوئی تھیں اور اپنی ہمت کی پستی پر حیران ہو کہ عبادتِ الٰہی کی قولی صورت بھی جان پر گراں ہے۔ اللہ کی راہ میں جسم پر زخم اٹھانا اور مال کو لٹانا ہم میں سے کس کو نصیب ہے!

سلام ہو تم پر اے نبی! اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں۔ اس پر سلام جس کی جوانی شبنمِ صبح کی طرح پاک تھی۔ وہ جو مکّہ کی گلیوں میں خدا کی محبّت میں مسکراتا اور نور برساتا تھا۔ سلام اس پر جو دُنیا کا غم کھاتا تھا اور امرائے قریش جس کی خدا پرستی پر خار کھاتے تھے۔ سلام اس پر جو سجدوں میں پڑ کر گمراہوں کے

لئے روتا تھا۔ سلام اس پر جو سب کی ہدایت کے لئے پریشان رہتا تھا اور لوگ اس کے بالوں میں راکھ ڈال کر اس کی نیکی کا الٹا بدلہ دے کر اور پریشان کرتے تھے۔ سلام اس پر جسے اللہ کو واحد کہنے کے جرم میں اینٹ پتھر کی بارش برسا کر لہولہان کر دیتے تھے۔ سلام اس پر جس کی زندگی کی ہر گھڑی جسمانی تکلیف کے لحاظ سے قیامت کی طرح کھڑی تھی۔ سلام اس پر جو ٹوٹے پھوٹے حجرے میں رہتا تھا لیکن جنت کا وارث تھا۔ سلام اس پر جو عرب کی دولت کا مالک ہو کر بھی غریبوں کی طرح بسر کرتا اور سب سے زیادہ فاقے اٹھاتا تھا۔ سلام اس پر جو ہر وقت خطروں میں گھرا نہ گھبراتا تھا اور احد کی جنگ میں زخم کھا کر بھی اللہ کی حمد کہتا جاتا تھا۔ سلام اس پر جس نے غریبوں کے غم میں گھلنے پر اکتفا نہیں کی، بلکہ خاک نشینوں کو نظامِ حکومت پر قابض کروا دیا۔ سلام اس پر جس کی ہدایت یافتہ عقل نے ڈیڑھ ہزار برس کے بعد آنے والی سرمایہ اور محنت کی کشمکش کو بھانپا اور سرمایہ کو محنت کے تابع رکھنے کا جتن کر کے غریب کی گردن کو سرمایہ دار کی گرفت سے بچایا۔ سلام اس پر جس نے غریب مزاج ساتھیوں کی ایسی فوج تیار کی۔ جن کی ٹھوکروں میں شاہی تاج اور قیصری تخت لڑھکتے تھے۔ لیکن اخوت اور مساوات کی بنا پر جو معمولی مزدور کی زندگی بسر کرتے تھے سلام اس پر جس نے صرف اقتصادی مساوات کو حقیقت کا جامہ پہنایا۔ بلکہ سوسائٹی کے سارے امتیازات کا خاتمہ کر کے سچے معنوں میں انسانوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔ سلام اس پر جس نے مخلوق کی خدمت کو انسان کی بڑی فضیلت قرار دے کر عبادات کا رُخ حقوق العباد کی طرف پھیر دیا۔ سلام اس پر جس کے اپنے

اور سانجھیوں کے گھر میں کسی نے آقا اور غلام میں تمیز نہیں دیکھی۔ سلام اس پر جس کی زبان سے فحش یا دل آزار کلمہ کسی نے نہیں سُنا۔ سلام اس پر جو نرم روندی کی طرح خاموش اور نیک زندگی بسر فرماتا تھا۔ لیکن حق کی حمایت میں پہاڑ کی طرح ڈٹ جاتا تھا۔ سلام اس پر جس نے عمر میں ایک لمحہ بیکار نہیں گنوایا، اللہ کی عبادت اور مخلوق کی خدمت جس کا اوڑھنا بچھونا رہا۔"

اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ

اظہارِ واقعہ کے بعد دعا ہے کہ اے اللہ ہم کو اسی سلامت روی کی توفیق دے جو محمدؐ رسول اللہ کو دی تھی اور انہی انعام و اکرام کا مستحق گردان ہم بھی دین کی اشاعت میں وہی دکھ اٹھائیں اور مساوات پیدا کرنے کے لئے خوشی سے گھر کو لٹائیں۔ اللہ کی عبادت اور مخلوق کی خدمت سے ایک دم غافل نہ ہوں۔ بنی نوع انسان کی بھلائی دنیا میں ہمارا مقصد ہو۔ ہم دکھی دلوں کو سکھ پہنچانے کے لئے دکھ اٹھائیں۔ ہماری زبان فواحش سے آلودہ نہ ہو۔ دل آزاری کا کبھی موقعہ نہ آئے۔ غریبوں کے نظام کو دنیا میں پھیلانے اور بڑھانے کے لئے زندگی قربان کرنے کا ولولہ پیدا ہو۔ تاکہ تن آلودگیوں کے بغیر اس کے حضور میں جائے اور یوں اس کی رحمت سے نوازا جائے۔

اللہ کے سوا دل کی مرادیں بر لانے والا کوئی نہیں۔ تمام مڑھی مسان، قبر یا انسان سوائے اس کے پوجا کے قابل نہیں۔ یہ اعتقاد عقل کے پاک اور فہم کے صاف ہونے کی دلیل ہے۔ کم سمجھ بچہ لعل اور انگارے میں سے انگارے کو پسند کر کے ہاتھ بڑھاتا ہے۔ جب ہاتھ جل جاتا ہے تو دہائی دیتا ہے۔

اللہ کے سوا اور چیزوں کے پجاریوں کو کوئی کیونکر سمجھائے۔ کہ جن کی تم پوجا

اور بندگی کرتے ہو۔ وہ روح کو خاکستر کرنے والی چیزیں ہیں۔ کم سمجھ بچے، لعل کی طرف ہاتھ بڑھا۔ کیونکہ وہ ٹھنڈا بھی ہے اور روشن بھی۔

وہ جو خود سجدوں میں پڑے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں بدعقل انہی کو کارساز سمجھ کر ان کی مدد مانگ رہے ہیں! اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ایک اللہ کے ہو جاؤ۔ پھر سب تمہارے ہو جائیں گے۔ اگر اس کی آنکھیں بدلیں تو دنیا دوزخ ہو جائے گی۔ کوئی یار اور مددگار نہ بنے گا۔

اب قوم کی قسمت کا ڈوبا ہوا ستارہ دیکھو کہ وہ جو اللہ کی عبادت اور اپنی عبودیت کا اقرار لینے آیا تھا۔ اس کی حیثیت زیرِ بحث ہے۔ ملت میں معرکہ یہ آن پڑا کہ وہ بشر بھی تھا یا نہیں۔ سبحان اللہ! تو بھائی وہ بشر نہ تھا؟ تو کیا خدا احمد بن کر آیا تھا۔ یہی اعتقاد ہندو کرشن کے متعلق رکھیں تو وہ مشرک تو نبی کریمؐ کیا خدا کے رشتہ دار ہیں؟ جیسا عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے متعلق دعویٰ کرتے ہیں، تو وہ کافر۔ تو کیا وہ فرشتے تھے؟ کوئی نہ کہے گا کہ ہاں۔ اگر یہ سب کچھ نہ تھے تو رسول کریمؐ کیا تھے؟

اگر محمدؐ رسول اللہ انسان نہ ہوتے۔ فرشتہ ہوتے یا اوتار یا اللہ کے رشتہ دار ہوتے تو اُن سے ہمارا اگٹھ جوڑ کیا تھا۔ ہم ہر مرحلے اور ہر ارتکابِ گناہ پر کہتے کہ وہ انسان کی کمزوری کو کیا جانیں۔ ہماری طرح بشر ہوتے تو گناہ کے بازار میں کہیں پڑے ہوتے۔ لیکن خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرح بشر بنا کر بھیجا۔ جس نے خدا کی فرمانبرداری میں ایک لحظہ کوتاہی نہ کی۔ اللہ کی عبادت اور مخلوق کی خدمت کے راستوں پر خود چل کر بتایا۔ اگر وہ فرشتہ اور اوتار ہوتا تو

اس کے کارنامے قابل فخر نہ ہوتے۔ اگر وہ بشر نہ ہوتا تو ہمیں اس کی سرداری سے کیا فائدہ تھا۔ وہ مکمل بشر ہونے کے باعث ہی تو فرشتوں کی عزت کا مستحق تھا۔ فرشتے جانتے ہیں کہ بشریت کے تقاضوں کے باوجود محمد مصطفےٰ کی طرح عمل اور عبادت، قول و فعل کے پلڑے برابر نہیں رکھے جاسکتے۔ پس فطرتِ انسانی کی گوناگوں کمزوریوں کے باوجود نبی کریمؐ کا مجسمہ نماز و خدمت بن کر بسر کرنا وہ کامیابی ہے جس کا مستحق دو جہان میں اور کوئی نہیں۔

مسلمان کی بے ہمتی کی دلیل ڈھونڈنے کہاں جاؤگے۔ صرف اس بحث سے جان لو کہ محمدؐ بشر ہے یا نہیں۔ امت کا بڑا طبقہ مُصر ہے کہ رسولِ پاکؐ کو بشر نہ سمجھ کر خود اپنی کم ہمتی اور بے دینی کا جواز پیدا کیا جائے۔ زبان سے صلوٰۃ بھیج کر اپنی زندگی کا سارا عمل سیرتِ نبیؐ کے خلاف رکھا جائے۔ محمدؐ رسول اللہ پر اللہ کے انعام گنا کر اُسے عوام کی نظر میں مافوق الفطرت ثابت کیا جائے اور عملی زندگی کا عوام میں ذکر نہ آنے پائے۔ کہیں عبادت خدمت اور قربانی کی بنا پر ہمارے تقویٰ اور طہارت کو آزمایا نہ جائے۔ قوم کے مذہبی اور سیاسی راہنما عمل اور عبادت، قربانی اور ایثار سے خالی ہاتھ ہیں لیکن زبانی جمع خرچ سے قوم کی قسمت بدلنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ وہ ہادیؐ برحق رات دن جہاد کی تیاریوں میں مصروف رہا اور ساری عمر معرکہ کے میدانوں میں خاک اور خون کی بازی کھیلنے میں گذاری۔ برخلاف اس کے ہماری ساری سعی کنگھی اور سُرمہ کی سنّت اور عیش و آرام کی زندگی میں صرف ہوئی۔ مساوات کا نام رہ گیا ہے۔ ہر امیر غریب مسلمانوں کے کشتوں پر اپنے خاندان کی عزت و آرام کا محل تعمیر کرتا ہے۔ الفت و مساوات

کا مدفنوں سے مسلمان اربابِ اقتدار نے جنازہ نکال دیا ہے۔ اب اسلام کی تبلیغ نبی کریمؐ کی کریمانہ سیرت سے نہیں کرتے۔ صرف لفنگے پن سے دوسروں کو مرعوب کرتے ہیں۔

بھلا بتاؤ۔ یتیم عربؐ کی سیرت کا کون سا پہلو ہمارے کیریکٹر میں ہے جسے ہم پیش کر کے اہلِ دنیا کو اسلام کی طرف بلائیں؟ سیرت کے جلسے اور میلاد کی محفلیں اب کافی نہیں، دنیا تو ہمیشہ حال کو دیکھتی ہے۔ قال کو نہیں دیکھتی۔ ہمارا حال قرآن کے حکم کے سرتاپا خلاف ہو تو قرآن کی خیر و خوبی کی طرف کوئی کیونکر متوجہ ہو۔ زبان سے تبلیغ کے ہیں مخالف نہیں لیکن عمل کا اثر اور ہی کچھ ہے۔ ہم نے محفل میلاد میں نعت خوانی اور سیرت کے جلوسوں کے لیے ہنگامہ مظاہروں کو نبیؐ کی محبّت کے اظہار کا ذریعہ اور دینی تبلیغ سمجھ لیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ان تقاریب کے اخراجات کو ان ہی مقاصد کی اشاعت کے لئے صرف کیا جائے۔ دنیا کے ہر گوشے میں سچے دین کا ڈھنڈورہ اپنی اعلےٰ سیرت اور بے مثال علم اور قربانی سے دیا جائے۔

ہماری اسلامی روح مُردہ ہو چکی ہے۔ اس کو زندہ کرنا ضروری ہے، کیا علمائے دین کا یہ حال نہیں ہے کہ اپنے گھر کے بھنگی اور چمار کو کبھی اللہ کے نام اور رسولؐ کے کلام سے آشنا نہیں کیا اپنے عمدہ اخلاق سے ہند و ہمسایۂ کے دل سے اپنے مذہب کی عظمت کا اقرار نہیں لیا۔ دنیا آج کل کے مسلمان کو یا تو عیسائیوں کا غلام جانتی ہے یا بازاری لفنگا۔ حالانکہ سچا مسلمان ان عیوب کی ضد ہے۔ لیکن اب تو کھنڈرات ہی ہماری گذشتوں ہمتوں کا نشان

ہیں۔

آج کا مساوات پسند انسان اسلام کی ابتدائی تاریخ کے اوراق کو پڑھ کر حقیقی اسلام کی خوبی کا اندازہ کرے کہ اس نے کس طرح سوسائٹی میں سب امتیازات کو ختم کر کے لوگوں کو ہر لحاظ سے برابر کا بھائی بنا دیا تھا۔ آج چودہ سو سال کے بعد کوئی محنت کش لوگوں کا نظام قائم کر دے۔ وہ بھی قابل فخر ہے۔ لیکن نبی کریمؐ کے فخر کو کون پہنچ سکتا ہے کہ دورِ حاضر کے حالات موجود نہ تھے۔ مزدوروں اور کسانوں میں ایسی بیداری نہ تھی۔ پھر بھی صحرا میں چمن لگا دیا۔ مزدور اور کسان کی امیدیں ہری بھری کر دیں۔ آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے کی دنیا میں عوام کا راج قائم کرنا رسالت کی روشن دلیل ہے۔

لوگ دین اسلام کی سچائی کی تائید میں محمد رسول اللہؐ کے معجزے بیان کرنے میں کیوں بیتاب ہیں۔ پاک محمدؐ تو اپنی ذات میں دنیا کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ وہ اپنی نبوّت کا خود ثبوت ہے۔ کون ہے جو یتیم پیدا ہوا اگر آوارگیوں سے آلودہ ہونے کی بجائے سیرت کی پاکیزگی کے باعث دُرِّ یتیم کہلایا۔ تلوار سے دنیا کو جیت لینا بڑی بات نہیں۔ اپنے اخلاق سے قوم کی کایا پلٹ کرنا قابلِ فخر کارنامہ ہے۔ ملکوں کو فتح کرنا ہر زور آور کا کام ہے لیکن سارے نظام کو بدل کر انسانیت کو چلنِ حیات میں نئے سانچے میں ڈھالنے کے پورے انتظام کر کے رہنا بڑی کامیابی ہے اور یہ کامیابی قدرت نے نبی آخرالزماںؐ کی قسمت میں کی۔

اگر وحی کی خصوصیت کو نظر انداز کر دیا جائے تو کون غیر نبی یہ دعویٰ کر سکتا

ہے کہ اس نے ہر شعبۂ زندگی میں ہمہ گیر انقلاب پیدا کیا۔ غلام کو رکھا تو بہنوئی بنا کر عورت کا وہ درجہ قائم کیا جو مرد سے کم نہیں۔ غریب کو اٹھایا، امیر کو دبایا۔ دونوں کی سطح ہموار ہو گئی۔ رنگ و نسل کا امتیاز ختم کر دیا۔ ملک ملک کی دوئی مٹا دی۔ عمدہ اخلاق اور حسنِ سلوک کی بنیادوں پر نئی سوسائٹی تعمیر کی۔

پاک محمد فاتح ہی نہ تھا، مقنّن بھی تھا۔ حق اور مساوات کا مبلّغ تھا۔ خدمتِ خلق کا محافظ تھا، کمزوروں کا وہ اچھا خاوند اور شفیق بھائی اور پیار کرنے والا باپ۔ مہربان دوست اور عزیز ہمسایہ تھا۔ اس نے عبادت کو قول تک محدود نہ رکھا بلکہ مخلوق کی خدمت کے جذبے کو خدا کی پریت کا گیت بنا دیا۔ اس کی ذات میں ساری خوبیوں کا اجتماع ہو گیا تھا۔ قول کا سچا۔ بات کا پکا۔ غریب طبیعت، آزاد خیال، ہمیشہ دوسرے کا نیک پہلو دیکھنے والا۔ دشمن کے بھی بھلے کی سوچنے والا لیکن باطل کے مقابلے میں بہادر سپاہی کی طرح ڈٹ جانے والا۔ سیاسی تدبیروں میں سادہ لیکن خطرے کی تیاریوں میں ہر وقت چوکس اور ہمہ وجوہ مکمّل۔

آؤ عزیزو اس نبیؐ پر درود بھیجیں۔ شاید کہ اس کا ذکر روح کو روشن کر دے، دل اسی کے اخلاق کا حامل ہو جائے اور ہماری شخصی اور قومی زندگی میں عملی انقلاب پیدا کر دے ::

درُود

بعض لوگ درُود کے معاملے میں بھی گفتگو کرتے ہیں لیکن محلِّ بحث کیا ہے! اگر میں اپنے ماں باپ کے حق میں دعا کروں تو یہ ماں باپ کی عبادت تو نہیں بلکہ خدا کے حضور میں اپنی عبُودیّت کا اقرار اور ماں باپ پر رحم کی درخواست ہے، اچھی دُعائیں بھی تو عین عبادت ہیں ۔ یہ درود دُنیا کے بہترین آدمیوں کے لیے اور اس کی ساری نسلِ انسانی کے لیے ہے۔ اس دنیا سے گزر جانے والے اور آنے والے سب کے لیے ہماری محبّت بھری آرزو یہی ہے کہ خدا سب پر رحم کرے اور اپنی ساری مخلوق کے بدلے ہم سب پر کرم فرمائے ۔

اے عزیز ! اپنے ماں باپ، عزیز واقارب ، تمام نیک لوگوں اور نبیوں اور بنی نوع انسان کے لیے درود اور دُعا رُوحانی صحت کے بیحد ضروری ہے ۔ بعض تنگ دل مسلمانوں نے خدا کی مہربانی کو دنیا کے سرمایہ داروں کی طرح صرف اپنے اور اپنے خاندان کے لیے محدود کر دینا چاہا اور یُوں اپنی نمازوں اور دُعاؤں کے باوجود تہی دست ، تنگ ظرف رہ گئے ۔ عقل کو اس کی حقیقت معلوم نہیں

لیکن یہ رُوحانی دوا ہے۔ اس پر تھوڑا سا عمل زندگی کو بدل دیتا ہے۔ دل دریا ہو جاتا ہے، نظر میں وُسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ ساری دنیا دوست نظر آنے لگتی ہے۔ کارِ خیر کی قوّت بڑھ جاتی ہے۔ رات دِن محنت کرنے کے باوجود مسّرت و شادمانی کا دل پر دَورہ، پہرہ رہتا ہے۔ خدمتِ خلق کا جو فی الحقیقت ہماری تخلیق کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ جذبہ بہت بڑھ جاتا ہے اور خود غرضی فنا ہو جاتی ہے۔ شُہرت کی جھُوٹی بھُوک جاتی رہتی ہے اور خاموش کام کی صلاحیّت پیدا ہو جاتی ہے۔

درود سے نبیؐ کو بہلانا مقصُود نہیں بلکہ اپنی فطرت کو پاک کرنا ہے۔ کسی کی عظمت کا اعتراف بھی باعظمت لوگ ہی کر سکتے ہیں، جو صدقِ دِل سے نبیؐ پر درود بھیجتا ہے۔ وہ فی الحقیقت نبیؐ کی اعلیٰ سیرت کو پسند کرتا ہے اور اسی قربانی اور ایثار کی راہ پر چلنے کا دل سے اقرار کرتا ہے۔ درُود کے وقت دل دو کیفیّتوں کا حامل ہونا چاہیئے۔ اوّل نبی کریمؐ کے عمل کے مطابق اپنی زندگی کی بنیاد کی دُعا۔ دُوسرے آلِ محمدؐ یعنی ماضی، حال اور استقبال کی تمام امتوں کے لیے خدا سے رحم کی استدعا۔ دیکھنا کوئی جان ایسی رہ نہ جائے جس کے لیے تیری زبان صرف دعا نہ ہو!!

محمدؐ رسول اللہ دنیا کی دعاؤں کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ کسی ایک انسان نے بنی نوعِ انسان کی اتنی عظیم خدمت نہیں کی جتنی رسول پاکؐ نے کی ہے۔ عورت کا درجہ بڑھانے کا کتنا شور ہے مگر متمدّن دنیا نے اسے آج تک جائیداد سے عاق اور انسانی حق سے محروم رکھا لیکن پاک نبیؐ نے خدا کا

حکم پاکر ہر لحاظ سے عورت کو مرد کے برابر کر دیا۔ سرمایہ دار مسلمان کی رسُومات کو نہ دیکھو، قرآن کے حکم کو دیکھو کہ کن ترکیبوں سے مرد اور عورت میں مالی مساوات قائم کر دی" اور تو اور جہاد میں مرد اور عورت کے قوانین میں فرق نہیں۔ میدان جہاد میں اسے اسی قربانی کی دعوت ہے جو مرد کے لیے ہے۔ یہ نہیں کہ عورت کو عزت اور شرم کے حیلے بہانے سے بیر بہوٹی یا چھوئی موئی بنا کر محض اپنی آنکھوں کے سرور کا سامان کر رکھو۔ غیرت کی بناء پر لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کرنے والے اسلام کے باغی ہیں۔ عورت کے حق میں سچی اور بے لاگ باتیں کس نے کہیں؟

انسدادِ غلامی کا کتنا غلغلہ ہے۔ مگر کارخانہ داروں اور زمینداروں نے مزدور اور کسان کی کیسی مٹی پلید کر رکھی ہے۔ گھر کے نوکروں سے جس بیدردی اور بدسلوکی سے کام لیا جاتا ہے وہ کون نہیں جانتا۔ یہ سب کچھ اسلام کے قوانین اور محمدؐ کے پاک احکام کے خلاف ہو رہا ہے، نوکروں کو کیا، غلاموں کو برابر کا بھائی بنا کر دکھانے والا اس پر اپنے وقت میں عمل کرانے والا محمدؐ رسول اللہ کے سوا اور کون تھا!!

اے عزیزا! کیا لکھوں ہمارے نبیؐ کی پاک زندگی کے کوئی کارنامے جاننے پھر سمجھے کہ ہاں کوئی آیا تھا۔ اس کی محبت بھری ہر ادا پر صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہہ اٹھے نوجوانو! کون ہے جو جان پر سوز زخم کھائے مگر نیک دعائیں دیتا جائے؟

ایک بات یاد رکھو! درود کو شفاعت کی رشوت نہ بناؤ بلکہ رسالت مآبؐ کی زندگی سے سبق حاصل کرو۔ انسانوں کی محبت دل میں پیدا کر کے ہر ہمسائے کی بہترین خدمت انجام دو۔ نیکی میں دلیر بنو، خدا سے خوف کرو۔

داناؤں کا قول ہے کہ ہر وقت کے ساتھی کی نظر میں کوئی معزز نہیں ہوتا۔ قیاس یہی ہے کہ ہر شریف میں کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے۔ جو دُور رہنے والوں کی نگاہ سے اوجھل ہوتی ہے مگر دایہ سے پیٹ چھپایا نہیں جاتا لیکن اللہ والوں کا حال اور ہوتا ہے۔ ان سے دُوری فتنے کا باعث اور دل کے زنگار کا سبب ہوتی ہے۔ نبی کریم کو جس نے قریب سے دیکھا اس کی کایا پلٹ ہوگئی۔ جس نے اسے جتنا دیکھا نورٌ علیٰ نور پایا۔ وحیٔ الٰہی کے پہلے تجربے نے رسول پاکؐ کو ششدر کر دیا تھا مگر رفیقۂ حیات نے اس کی نبوّت پر پہلی گواہی دی کیونکہ پاس رہ کر اس نے دیکھ لیا تھا کہ عبداللہ کے بیٹے سے بہتر اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ پس اس نے پکار کر کہا کہ :-

اے آمنہ کے جائے سُن! کیا اللہ اس کو برباد کر دے گا جو ہمسائے سے حسنِ سلوک کرنے والا، رشتہ داروں پر مہربان اور مسافروں کا خدمت گزار ہو۔

بخدا کیسی عمدہ گواہی ہے!! دوستوں میں ابوبکرؓ سب سے عزیز، عزیزوں میں علیؓ سب سے پیارے۔ گھر میں ایک غلام مگر بیٹے کی طرح منظورِ نظر۔ لیکن نبوّت کے دعوے کے ساتھ ہی انہوں نے تصدیق کی۔ وہ تو پہلے ہی محمدؐ کو ایک نُور سمجھتے تھے۔ اب نُور کے پُورے ظہور پر انکار کی کیا گنجائش تھی! کمزوروں کی خدمت کے لیے ہر وقت کھوئے کھوئے پھرنے والے کے قریب جو گیا وہ اہلِ دنیا کی خدمت کا درد لے کر آیا اور ہر طرح ایثار کی مُورت بن گیا۔ زندگی کے آغاز سے لے کر دُنیا کے انجام تک کوئی ایسا پیدا نہ ہُوا جس کی حیات میں اس کے قریب رہنے والے اصحابِ رسولؐ کی طرح مسحور ہوئے ہوں اور اپنی زندگی کو

اپنے لیڈر کے قول وفعل کے سانچے میں مکمل طور پر ڈھالا ہو۔ جو اس کے نزدیک آیا پھر دُور نہ ہُوا اور عمر اسی کی وفاداریوں میں بسر کر دی۔ جاؤ دنیا کے ہر بڑے آدمی کا حال تاریخ کے اوراق میں مطالعہ کرو۔ مصیبت کے وقت سب کے ساتھی چھوڑ گئے۔ اگر موت تک عہد کو نباہا تو وہ اصحابِ رسولؐ تھے۔

یاد رکھو۔ مکّار اور ریاکار کبھی ایسی سچّی محبت اور پختہ وفاداری پیدا نہیں کر سکتا، نیک نیتی سے اخلاص پیدا ہوتا ہے۔ تمہارے دل میں سچّی محبت ہے تو دوسرے کے دل میں نُور پیدا کر سکتے ہو۔ اگر میرا ہی دل خدا کی محبت سے خالی ہے تو جو پاس آئے گا خالی ہاتھ جائے گا۔

اے عزیز! یہ درود دعا ہے۔ اس کے ذریعے محمدؐ کی عبادت مقصود نہیں بلکہ اس کی پاکیزہ زندگی کی محبت کی جوت جی میں لگا لے تاکہ تیری قسمت جاگ جائے اور تو زندگی کے عمل کو اپنے پیغمبرؐ کی سیرت کے مطابق بنا سکے۔

دل میں شیطان اور زبان پر رحمان کیسی بدنصیبی ہے! ایسی ہی بدنصیبی یہ ہے کہ زبان پر صلوٰۃ ہو اور ہر عمل خلافِ پیغمبرؐ ہو۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ عمل ہی زبان اور بیان بن جائے۔ محمّد رسول اللہ کی محبّت کے تیرے عملی دعوے کو دیکھ کر دشمن بھی صلی اللہ علیہ وسلّم پکار اُٹھے تو جانیں لیکن اب زمانہ یہ آگیا ہے کہ زبانی درُود کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں مگر ہماری مجلسی زندگی سیرتِ نبویؐ کی کھُلی توہین ہے۔ ہر چیز زبانی جمع خرچ رہ گئی ہے۔ محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی مدح سازوسرود کے ذریعے کی جاتی ہے۔ سُننے والے دنیاوی محبُوبوں کے تصوّر میں جھُوم جاتے ہیں۔ مزے اپنے اور احسان رسُول کریمؐ پر؟؟

گو درود بھی دعا ہے لیکن اس کے بعد لوگ دعا پڑھتے ہیں۔ سچی تڑپ سے نکلی ہوئی دعائیں دل کے باغ میں خوشی کی کلیاں کھلا دیتی ہیں۔ خزاں زدہ امیدوں پر بہار چھا جاتی ہے۔ روحانیت کے نخلِ بے برگ میں نئی کونپلیں نکل آتی ہیں۔ زندگی کی ندی کے اس پار کے نظارے نظر آنے لگتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہاں کی خوشیوں اور وہاں کی شادمانیوں کا سیپ اور گوہر کا مقابلہ ہے۔ ملمّع کے بدلے سونا کون دے۔ آنے والی باعظمت زندگی کو اس دنیا کی آرزوؤں پر کون قربان کر دے!

اے عزیز! اس کے ذکر سے دل کو زندہ کر دعاؤں میں نیکی کی توفیق مانگ خلق کی خدمت اور بھلائی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دے۔ میری طرح عمر رائیگاں گنوا کر تو آخرت میں کیا پھل پائے گا۔ دنیا کے دکھوں کو دُور کرنے کے لیے جوکھوں میں ڈالنے کی عادت ڈال جس نے دُوسروں کی بھلائی کے لیے جتنی مصیبت اٹھائی جنّت کی اتنی ہی خوشی اس کے حصّے میں آئی۔ اپنے لئے زندہ رہنا چھوڑ دے تاکہ تجھے شادمانی کی ابدی زندگی ملے۔

عشقِ نبیؐ کا دعویٰ اور عزم میں کمزوری اور خدمتِ خلق میں کوتاہی۔ کیا کہوں لوگوں نے درود بھی جزوِ عبادت بنا لیا ہے۔ رسولؐ کو دیوتا سمجھ کر اس کی خوشنودی کے لیے درود کو کافی سمجھ لیا ہے اور پیغمبرؐ کی پاک سیرت سے یکسر منہ موڑ لیا ہے۔ درود تو زندگی میں ایک دفعہ بھی پڑھ لیا جائے تو فرض ادا ہو جاتا ہے مگر درود والے کی زندگی کی طرح ہر روز زندگی بسر نہ ہو تو قیامت ہو جاتی ہے لیکن اے قولی عبادت کے دھنی مسلمان! کیا رسولِ کریمؐ کی ساری

زندگی کا عمل عبادت نہ تھا؟

دیکھو درود حضورؐ کے حق میں اللہ سے دُعا ہے۔ اس سے ایسا جذبہ پیدا نہ ہو کہ تمہاری عقیدت عبادت کا پہلو اختیار کرلے اور تم محمدؐ رسول اللہ کو دیوتا سمجھنے لگو اور ان کی زندگی کو دیوتا کی طرح پیروی سے مالا مال بنالو اور خود صرف درود پر اکتفا کر کے بیٹھ جاؤ۔

انسانوں کو نبوّت عطا کرنے کا راز یہی تھا کہ امت نبیؐ کی پیروی میں معذوری کا بہانہ نہ بنائے۔ اگر جنّ اور فرشتے نبی بنائے جاتے تو انسان عذر کرتے کہ اے خدا! انسان جن اور فرشتوں کی پیروی کیونکر کر سکتا ہے۔ پس درُود کے سربستہ معنی، سیرتِ نبویؐ کے مطابق بسر اوقات کرنے کے عزم کے ہیں۔ ان عزائم سے خالی درود تمہارے مُنہ کی بات ہے۔ خدا اور اس کے رسولؐ کو راضی کرنے کی چیز نہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو مہربان اور رحم والا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
الٰہی ہمارے سردار حضرت محمدؐ پر رحمت بھیج

وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
اور ہمارے سردار محمدؐ کی آل پر جس طرح تو نے رحمت بھیجی

عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ
حضرت ابراہیمؑ پر اور حضرت ابراہیمؑ کی آل پر بیشک تو تعریف

مَّجِيْدٌ ط اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
کیا گیا ہے بزرگ ہے۔ الٰہی برکت دے ہمارے سردار حضرت محمدؐ کو

وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى
اور ہمارے سردار حضرت محمدؐ کی آل کو جس طرح تو نے برکت دی

اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ
حضرت ابراہیمؑ کو اور حضرت ابراہیمؑ کی آل کو بیشک تو

حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط
تعریف کیا گیا ہے بزرگ ہے ؟

تہجّد کا وقت

اس کی خوش بختی کا کون اندازہ کرے جسے محبُوب کی خلوت میسّر ہو اور اپنے شوق کے اندازے کے مطابق پیار کی باتوں، محبّت کی گھاتوں میں لگے رہنے کا جسے موقع ملے اور پاک خلوتوں میں دل کے دُکھڑے زبان بیان کرے، محبت کی فراوانی کی کہانی آنسوؤں کی زبانی بیان ہو۔ جب دنیا سو جاتی ہے عاشق جاگ اٹھتا ہے۔ اس کے حریم ناز کے پردے اٹھا کر سر کو آہستہ سے قدموں میں رکھ کر عرضِ تمنّا کے طور پر اشکوں کے پانی سے دُھوتا ہے۔ مطلوب کے قرب کا احساس طالب کے لیے کتنی بڑی دولت ہے۔ منزلِ عشق کے مسافروں سے پوچھو۔ محبُوب سے دُوری کتنی دردناک اور قرب کتنا خوشگوار ہے۔ زندہ دل عاشق تاروں کی چھاؤں اُٹھتا ہے۔ شوریدہ سر دنیا پر خاموشی چھائی ہوتی ہے۔ یہی فضاؤں کا سکوت محبّت کے راز و نیاز کا پردہ دار بنتا ہے۔ لوگوں کی گہری نیند اللہ کے عاشق کے لیے تخلیے کا کام دیتی ہے۔ دُنیا خرّاٹے لیتی ہے۔ وہ محبت کے مزے لُوٹتا ہے۔

کہتے ہیں جب دو پہر رات گزر جاتی ہے۔ خدا کا تختِ جمال زمین کے قریب آکر نور برساتا ہے۔ وقت میں لطف و خوبی بڑھ جاتی ہے۔ دنیا میں رنگ اور شعر برسنے لگتے ہیں۔ آسمان سے جانفزا صدائیں آتی ہیں کہ کوئی ہے جو مانگے اسے دیا جائے۔ جنہوں نے آدھ بجے کے قریب عبادت کو معمول بنا لیا ہے ان سے پوچھو کہ ایسا رنگین سماں کسی اور وقت نظر آیا۔ حسن و رعنائی کے شیفتہ قدرت کے مناظر دیکھنے کی آرزوؤں میں دیس بدیس گھومتے ہیں اور اس طرح دولت کو دونوں ہاتھوں سے لٹاتے ہیں۔ تب کہیں پسندِ خاطر حسین نظارہ نظر آتا ہے لیکن زاہد شب زندہ دار سے دریافت کرو کہ کیا پو پھٹتے وقت قدرت دنیا کو جنت کی رنگینیاں مستعار نہیں دے دیتی؟

آبشاروں کا شور شہنائیوں کی سی موسیقیت اختیار کرتا ہے اور رہٹ کی چیخیں دلکش راگ بن جاتی ہیں۔ ایسے وقت کی عبادت عشقِ حقیقی کو بیدار کرنے میں ایسی مدد بہم پہنچاتی ہے جیسے ساز و سرود مجازی محبت کو برانگیختہ کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔

دلکشا صبح کی رونمائی سے پہلے جب شبنم پھولوں کا منہ دھلانے آتی ہے تو مصروفِ عبادت شخص کے دل کی مسجد میں امن کا پروردگار خود ہی پٹ کھول کر آجاتا ہے۔ عبادت سے دھلے دل کے بہترین گوشے میں اپنا تختِ جلال بچھا کر بیٹھ جاتا ہے۔ قلب میں دھوم سی مچ جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خزاں میں بادِ بہاری کا پیغام آگیا۔ عاشق وارفتہ کی طرح عابد اپنے پروردگار کے قربان قربان جاتا ہے۔ والہانہ رکوع و سجود میں مصروف ہوتا ہے۔ دھیرے دھیرے دل

پر اسرار روحانی کھلنے شروع ہو جاتے ہیں:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور سورج اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چلنے پھرنے والے اور لوگوں میں سے اکثر۔

کے معنی روشن ہو جاتے ہیں اور وہ حیرت کے مقام پر پہنچ کر کائنات کے کرشموں کو دیکھ دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ جدھر نظر اٹھاتا ہے سبھی چیزوں کو اس کے حضور میں جھکی پاتا ہے۔ وہ اب اپنی حیثیت کو صحیح طور سے سمجھنے لگتا ہے کہ یہ حسن و جوانی جگنو کی ایک چمک ہے۔ پل چھن میں آئی اور گئی۔ ہاں، جب پرندہ پر نہیں مارتا' غافل انسان ہوشیار نہیں ہوتا، وہی وقت عشقِ الٰہی کی پینگیں بڑھانے کا ہوتا ہے۔

محبوبِ حقیقی کی محبت میں مجازی عشق کی طرح اداسیاں نہیں ہوتیں بلکہ اس راہ میں رنگینیاں، سرمستیاں اور سرشاریاں ہوتی ہیں۔ ایک نور آنکھوں کے سامنے رقص کرتا ہے۔ ایک رنگ طبیعت پر برستا ہے۔ لوگ دعاؤں کی قبولیت کے لیے بھلے وقتوں کے منتظر رہتے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں کہ رات کے آخری حصے میں معرفتِ الٰہی کا نور دھڑیوں لٹایا جاتا ہے۔ عرض مدعا سے پہلے آرزوؤں کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

دُنیا طلب انسانوں کا ان پاکیزہ ساعتوں میں کوئی حصّہ نہیں۔ رحم و کرم کی

لُوٹ میں حصّہ وہ پاتا ہے جو سرمایہ داری کے نظام میں بھی دنیا کو محنت سے کما کر عمر بھر کوڑی کوڑی کا حساب رکھ کر اپنی آئے دن کی آمدنی انسانوں کی فلاح اور ترقی میں لگاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دنیا طلب سفلی آرزوؤں کے حصول کے لیے صبح سے پہلے اٹھتا ہے۔ بخشش کے اس یقینی وقت میں آگ لینے جاتا ہے تو پیغمبری پاتا ہے۔ اس لیے بعض سالکوں نے کہا کہ منہ اندھیرے اٹھنا ہی نادانستہ رُوح کو غذا پہنچاتا ہے۔ اس وقت عقل بیساختہ نورِ معرفت حاصل کر لیتی ہے کیونکہ صبح کی ساعتوں کی موزونیت دل کو یکسوئی اور اطمینان کی دولت بخشتی ہے۔ قلب کی کیفیتیں ایک نادر صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ جان کو نیا احساس عطا ہوتا ہے۔

جس دم رات کی تاریکی سے صبح کا نُور نکلنے لگتا ہے اس وقت کا اٹھنا بھی اسی لیے عبادت سمجھا گیا ہے کہ اس وقت خود بخود دل کی ظلمت دُور ہو جاتی ہے، یُوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی کاریگر نے دِل کے دھبّوں کو دھو کر قوسِ قزح کے رنگوں سے رنگ دیا ہے اور بڑی ہنرمندی سے افشاں چن دی ہے۔ دماغ دن بھر لطیف احساسات کا حامل رہتا ہے گویا اس میں کسی نے نُور کو خوشبوؤں میں گوندھ کر رکھ دیا ہو۔ دل روشن رہتا ہے۔ طبیعت بہلتی ہے۔ تاریک خیال اور گندی آرزوئیں پیدا نہیں ہوتیں۔ غرور کی جگہ طبیعت میں انکسار آ جاتا ہے۔ خود غرضی دُور ہو کر محبّت اور خدمت زندگی کا مقصد بن جاتے ہیں۔

بعض قومیں ساز و سرود کے ذریعے رُوح کی خوابیدہ خُوبیوں کو بیدار کرتی ہیں۔ مگر یہ دفع الوقتی ہے۔ ایسا عمل رُوحانی امراض کا مستقل علاج نہیں۔ مزامیر

اور محبت کے پاکیزہ گیت صوفیانہ محویت تو پیدا کرتے ہیں مگر شراب کے نشے کی طرح اس کی سرشاریاں عارضی ہوتی ہیں ۔ راگ رنگ میں یہ اندیشہ بھی ہوتا ہے کہ مبادا سفلی آرزوئیں برانگیختہ ہوجائیں اور جذبات ننگے ناچنے لگیں ۔

سُنا نہیں کہ بعض مندروں میں دیوداسیوں کا حسن سازو سرود سے مل کر پجاریوں کی زندگی کے لیے گناہ کا طوفان بن گیا ۔

نمازِ تہجد معصوم مستی اور پاک نشہ پیدا کرتی ہے ۔ جس سے گناہ کا کھٹکا جاتا رہتا ہے اور قلب میں نور و ہدایت کے چشمے ابلنے لگتے ہیں ۔ چہرے پر روحانیت جھلکنے لگتی ہے ۔ آنکھوں کا انداز مستی کی بارش برساتا ہے ۔ تہجد گزار کی گفتگو میں ایسی معصومیت پیدا ہوجاتی ہے جو قلب کی معصوم کیفیتوں کی آئینہ دار ہوتی ہے ۔

دل چاہتا ہے کہ چند اس کے پاس بیٹھو اور اس کی رس بھری باتوں کو سنو ۔

جو ان کی صحبت اختیار کرتا ہے ۔ اس کا دل معصومیت سے چھلک جاتا ہے طبیعت میں ایک گونہ سوز و گداز پیدا ہوتا ہے مگر یہ سوز و گداز بے اطمینانی کا باعث نہیں ہوتا بلکہ دل پر اطمینان کی جنت کے دروازے کھُل جاتے ہیں ۔

اذان

خیر و برکت کے عمل یعنی عبادت کی طرف بلانے کے لیے اور مذاہب کے پجاریوں نے بڑی کاوش سے کام لیا ہے۔ نفیری اور نقارے کے علاوہ سونے کے گھنٹے ہلانے اور چاندی کی گھنٹیاں بجانے کا معمول کر کے عبادت کی دعوت کو دلکش اور دلفریب بنانے کی سعی کی ہے۔ دھات کے ٹکڑے ٹکرا کر فضاؤں میں نغمے برساتے ہیں اور رنگ اڑاتے ہیں۔ میں مانتا ہوں ان میں موسیقیت اور کشش ہے مگر ان کے اشارے بے ہنگام نہیں تو مبہم ضرور ہیں۔ برخلاف اس کے جسم کے ساز سے نکلی ہوئی خوش آواز جو اذان کی صورت میں بلند ہوتی ہے۔ اونچی فضاؤں سے دل پر برکتیں برساتی ہے۔

جسمِ انسانی سے عمدہ ساز۔ انسان سے زیادہ خوش آواز کون! اس ساز سے اللہ اکبر کی آواز جب جلال اور جمال کو آغوش میں لے کر اٹھتی ہے تو ایک دفعہ تو کفر کے دل میں بھی دھوم سی مچ جاتی ہے اور کلیسا بھی اذان سے جھوم سا جاتا ہے۔

اذان کے اشارے مبہم نہیں بلکہ اذان ہی محبوبِ حقیقی کا کھلا سمجھ میں آنیوالا جانفزا پیغام ہو جاتی ہے جو اپنے فروغِ حُسن کو صنعت کے رنگین جلوؤں میں چھپائے بیٹھا ہے۔

پیاری لَے میں محبت کا گیت سُن کر کون سرمست نہیں ہو جاتا۔ خوش آواز مؤذن محبوب کا پیغامبر بن کر پکارے۔ آؤ نماز کا وقت ہو گیا ہے فلاح کے دروازے کھُل گئے ہیں! اللہ کا کون عاشق شیطانی مصروفیتوں میں اُلجھا رہ سکتا ہے۔

میں نے مانا کہ کلیسا اور مندر کے گھنٹوں میں کم جاذبیت نہیں لیکن انسانی لے میں جو شیرینی اور شعریت ہے وہ ناقوس اور گھنٹیوں میں کہاں۔ تاہم اذان کا مقصد موسیقیت میں بازی لیجانا نہیں بلکہ دُنیا کی فضا میں اللہ کے بابرکت نام کو بلند کرنا ہے تاکہ غافل ہوشیار ہو جائیں اور ابلیس کے پھندے میں نہ پھنسیں۔

ہندو گھی کو آگ میں جلا کر ہَوَن کرتے ہیں تاکہ ہوا صاف ہو اور جسم بیماریوں سے بچا رہے۔ مسلمان اذان کے ذریعے ایک بابرکت ماحول پیدا کرتا ہے تاکہ جان روحانی عوارض سے محفوظ رہے۔ جس جگہ گناہ کا ذکر رہے شیطان اسی جگہ آسان شکار ڈھونڈنے آتا ہے۔ جن وادیوں میں تکبیر کے نعرے گونجیں برکت کے فرشتے وہاں آکر آسودہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے جن بازاروں میں بوالہوسی گناہ کے چھینٹے اڑاتی ہو، اہلِ حق وہاں جانے سے جی چراتے ہیں۔ مبادا دامن آلودہ ہو جائے۔ جہاں پھول برستے ہوں وہاں بن ہاتھ پھیلائے بھی پھول زینتِ دستار ہو جاتے ہیں۔

غرض کسی مذہب کے عبادت کی طرف بُلانے میں صاف تعلیم اور اللہ کے نام کی بلندی نہیں۔ صرف وقت کی آگاہی مقصود ہے۔ اذان کے چند الفاظ میں دینِ اسلام کا مکمّل خلاصہ بیان کرکے دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ صبح کی لطیف ہوا اور بسیط فضا میں جب اللہ اکبر کی پُرجلال آواز بلند ہوتی ہے تو شرک کے جگر کو چیرتی چلی جاتی ہے شرک کے جگر پر یہ بے سُود عمل جراحی نہیں بلکہ لَا اِلٰہ کے پانیوں سے اسے دھو کر صاف کیا جاتا ہے اور اِلّا اللہ کا نُور بھر کر محمدؐ رسول اللہ کے ٹانکے لگا کر بند کر دیا جاتا ہے تاکہ اسلام کا نُور آکر پھر کفر کی تاریکی جگہ نہ پا سکے۔

جب شرک سنتا ہے کہ اللہ بہت بڑا ہے تو اس کے دل پر زخم لگتا ہے کہ واہ نہ مڑھی نہ مسان، نہ جن نہ انسان کوئی بڑا نہیں۔ یہ کیا تعلیم ہے اتنے دیوی دیوتا کسی ذکر میں نہیں۔ بس اللہ ہی بڑا ہے۔ بھلا یہ اللہ کون ہوتا ہے تکبیر کے اوّل چرکے میں انسان کے فرسُودہ خیالات میں بھونچال سا آجاتا ہے۔ شرک کی بنیادیں ہلنا شروع ہوجاتی ہیں۔ پُرانے اعتقادات میں ایک بھاگڑسی مچ جاتی ہے۔ مشرک سوچنے لگتا ہے۔

شرک کا متذبذب ہو کر سوچنا ہی اس کی قلعہ بندیوں کا گرنا ہے۔ وُہ پیکرِ محسوس کے بغیر خیالی خدا کو مرجع محبت بنانے کا عادی نہیں۔ قیاس کرتا ہے کہ اس میں محمدؐ کی مُورتی بنا کر پھل پھُول کو تھالی میں سجا کر آرتی اتاری جاتی ہو گی۔ جب مُوذن اُونچی آواز سے شہادت دیتا ہے کہ محمدؐ ہم تم جیسا خدا کا فرمانبردار بندہ ہے۔ ہاں فرق ہے تو صرف اتنا کہ وُہ خدا کے ہاں سے نیک رہنے اور امن

سے بسر کرنے کا پیغام لانے والا ہے۔ بس اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی پکار سے شرک کی آرزوئیں مایوسی کے آنسوؤں کی طرح خاک میں مِل جاتی ہیں۔ مشرک بے اختیار کہتا ہے کہ محمدؐ عجیب مذہب لے کر مبعوث ہُوا کہ جس میں اللہ ہی اللہ ہے باقی خیر صلّا ہے۔

وضوٗ

ایک عاشقِ برحق نے کہا۔ محبوب کا سندیسا سُنانے والے مُؤذّن! تیرے منہ میں گھی شکر مگر میرے حال کو دیکھ۔ کہ گرد و غُبار سے لت پت ہوں۔ کون سکھی ہے۔ جس کا ساجن بلائے اور وہ پھوہڑ ہاتھ پاؤں دھوئے بغیر سامنے چلی آئے، ہار سنگار نہ سہی۔ مگر چہرے پر چند چھینٹے دے لوں تاکہ ہوشیار ہو کر اپنی کہوں۔ اس کی سنوں۔ بھلا پیا پیارے کا نام کلّی کئے بغیر کیسے لے لوں۔ ناک صاف کئے بغیر کہیں گلبدن کی عطر بیزیوں سے محروم نہ رہ جاؤں، عشق سر دھڑ کی بازی پر ختم ہوتا ہے۔ میں اِس رسمِ محبّت کو پُورا کرنے کے لئے سر کا مسح کروں تاکہ ریاکاری کے مفت سجدے لٹانے کے لئے نہ جاؤں اور جب محبّت کی سرکار سر مانگے تو سر کھجلانے نہ لگ جاؤں۔ بلکہ یہ مسح مرکر حکم بجالانے کا سچّا عہد ہو۔

(۲)

دنیا پر جب دوپہر کے دوزخ کی حکومت تھی۔ اس وقت زندگی کی منزل کا تھکا ماندہ مسافر سر پر شکستہ آرزوؤں اور ناکام تمناؤں کا پشتارہ لیے جا رہا تھا۔

وہ بال جو بچپن سے جوانی تک عطر میں پل کر زلف رسا کہلاتے تھے۔ اب عمر کے تقاضے سے بال سن کی طرح بدرنگ خشک اور اُلجھے ہوئے تھے۔ اس کا سر پاؤں منہ، ماتھا زمانے کی دھول سے آلودہ تھا۔ پیاس سے پپڑی ہونٹوں پر جمی تھی۔ موذن نے حیَّ علی الصَّلوٰۃ کہہ کر نماز کی طرف آنے کا بلاوا دیا۔ وہ مسجد میں داخل ہو حوض کے کنارے سستانے بیٹھ گیا اور بولا کہ محنت کے مارے مزدور کے لئے وضو کا پانی دودھ کی دھارا ہے اور یہ کہہ کر اس نے حوض میں ہاتھ ڈال کر چلو میں پانی لیا اور اس سیّال نور سے اسلامی طریقے کے مطابق ہاتھ منہ کو دھویا اور وضو کی ساری شرطیں پوری کیں۔ نیلگوں پانی میں سنہری مچھلیوں کو اِدھر اُدھر تیرتے اور خوش وقت ہوتے دیکھا تو کہا کہ پانی سے محبّت کرنے والی قومیں مہذب کہلاتی ہیں۔ پانی سے جس قوم کو جتنا اُنس ہوگا۔ اُسی نسبت سے وہ بحر ہستی میں آسودہ رہے گی اور لمبی عمر پائے گی۔

وضو غسل کا قائم مقام ہے۔ غسل صفائی اور صحّت دونوں کی جان ہے۔ پانی تازگی بخش ہے۔ وضو تھکاوٹ دور کر کے نئے عزم پر آمادہ کرتا ہے اور خوابیدہ قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ پانی سے خوف، ترقی سے محرومی اور بیمار جسم کی دلیل ہے، عربوں اور مغلوں نے جب تک پانی سے پیار کیا۔ دیس سے نکل کر پردیس میں سرداری کی۔ اب مغربی قوموں نے پانی سے عشق پیدا کیا ہے اس کے کثرت استعمال نے ان کو ترقی کے آسمان پر پہنچا دیا ہے کیا شبہ ہے کہ ہزار برس کی غلامی کے باوجود ہندو اسی لئے زندہ ہے کہ گنگا جمنا کا کنارا اس کے لئے امرت دھارا ہے۔

روزہ

اسلام مساوات کی تعلیم ہے۔ نماز مجلسی مساوات کا درس ہے روزہ اقتصادی مساوات کے قیام کے لئے تلخ حقیقت کا تجربہ ہے۔ لفظوں کی کوئی ترتیب غریب کی تاریک دنیا کا نقشہ پیش نہیں کر سکتی۔ اس لئے روزہ کی رسم روا رکھی تاکہ ہر فارغ البال، فاقہ کش مزدور کی بدحالیوں کا ہلکا سا اندازہ لگالے۔ ورنہ مزدور کی مصیبتوں کا ذکر ہی باعثِ سرور ہوتا ہے۔ کوئی کسی کی داستانِ درد سن کر اپنے آرام کو حرام کیوں کرے۔ ہزار کتابیں لکھو، لاکھ فصاحت کے دریا بہاؤ مگر غریب کی زندگی جو آہوں کی بستی ہے۔ اس کا پورا احساس ممکن نہیں۔ اس لئے مساوات پسند مذہب نے روزے کا حکم دے کر غریب کی زندگی کی ہلکی سی جھلک دکھا کر کہا۔ کہ ان کا احساس کرو جو ملک کے غلط نظام کے باعث فاقوں کی موت مر رہے ہیں!

روزے میں سحری اور افطار کے صرف اوقات تبدیل کرتے ہوتے ہیں۔ لیکن اوسط درجے کے گھروں میں اس کا اہتمام مہینہ پہلے کیا جاتا ہے۔ صبح کو کیا کھایا

جائے۔ شام کو کس چیز سے افطار کیا جائے؟ اس کی فکر ایک ہفتے پہلے لاحق ہو جاتی ہے۔ دادی اماں کہتی ہیں۔ روزے سے خشکی ضرور ہو جاتی ہے دودھ دہی کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ شہر ہے تو حلوائی سے باندھ کر لی جاتی ہے۔ گاؤں ہے تو نئی گائے بھینس دروازے پر باندھ لی جاتی ہے۔ پھر بھی دھڑکن جان جاتی ہے کہ رمضان خیر خیریت سے کیسے گذرے گا! جوان بچے نابالغ نظر آنے لگتے ہیں۔ تندرست بیمار دکھائی دیتے ہیں۔ ہر ماں باپ کی طبیعت شرعی عذر تلاش کرتی ہے تاکہ بچے بیچارے روزے کی تکلیف سے بچ جائیں۔

امراء تو رمضان سے پہلے ہی دوستوں میں اپنی بیماری کا پرچار ڈھنڈورا کرنا شروع کر دیتے ہیں اور قسم کھانے کو احتیاطاً ڈاکٹر سے دو دن پہلے سرچکرانے کا نسخہ بھی لے لیتے ہیں تاکہ سند رہے۔ روزے سے بچنے کے لئے وہ بیماری کی ساری صورتیں قبول کر لیتے ہیں مگر معمولی فاقے کی مصیبت نہیں اُٹھا سکتے۔

غریب روزہ رکھ کر قرآن خوانی اور نوافل میں وقت گذارتے ہیں۔ امیر کمزور اور بیمار پر روزے کے بُرے اثر کے دلائل ڈھونڈنے اور احباب میں اس کی کیفیت بیان کرنے میں بسر کرتے ہیں اور ساتھ ہی آہ بھر کر اپنی مدّت کی بیماری کی شکایت کر کے کہتے ہیں۔ کہ دل تو چاہتا ہے کہ روزے رکھوں مگر ڈاکٹر آڑے آتا ہے اور جی مسوس کر رہ جاتا ہوں۔ غرض انہیں عمر بھر کی بیماریاں اسی مہینے یاد آتی ہیں اور طبّ اکبر کی انہی دنوں تلاوت فرماتے ہیں۔ تاکہ دیکھیں کس کس بیماری میں وہ مبتلا ہیں۔ جس کا علاج خدمتِ اسلام کی مصروفیتوں کے باعث وہ اب تک کرانے میں غافل رہے ہیں۔ وہ

مخلوقِ خدا کو فریب اور اپنے ضمیر کو آسودہ رکھنے کے متضاد جتن کرتے ہیں۔ کبھی مذہب پر مہربانی فرمانے کے لئے جمعہ مبارک کا روزہ رکھ بھی لیا تو قیامت آئی سمجھو۔ ہر چند مرغن غذاؤں سے پیٹ کو منہ تک بھر لیا تھا۔ مگر دوپہر ڈھلتے ہی تارے نظر آنے لگتے ہیں۔ چہرہ اتر جاتا ہے۔ نظر میں اُداسی سی چھا جاتی ہے۔ اُٹھتے ہیں تو دل بیٹھتا ہے۔ بیٹھے بیٹھے اُبابیاں اُٹھتی ہیں۔ خیالات منتشر ہو جاتے ہیں۔ طبیعت میں چڑچڑاپن آجاتا ہے۔ نوکروں کو گالیاں بکتے ہیں۔ بیوی سے بگڑتے ہیں۔ بچوں پر ہاتھ اُٹھاتے ہیں۔ اب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ غریبوں کے گھروں میں آئے دِن لڑائی کیوں رہتی ہے۔ کون سی چیز غریب کے سکونِ روح کو برباد کرتی ہے۔ غرض جب فاقے سے نظامِ جہاں بے کیف نظر آتا ہے تب سمجھ میں آتا ہے کہ غریب کی اساسِ زندگی کس بھونچال سے لرز جاتی ہے!

خدا کے نام پر سرمایہ داری کے نظام کو چلانے والوں کی چیرہ دستیوں سے چیخ اُٹھنے والی بھوک کی ماری مخلوق سوائے خدا کو کوسنے کے کیا کرے! جس نے انسان بنا کر انہیں حیوان سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا۔

اگر شخصی جائیداد خدا کی طرف سے ایک مقدس حق ہے تو خدا غریب کے لئے مقدس ہستی نہیں بلکہ خون آشام سرمایہ داروں کا ساتھی ہے۔ اگر غریب کو سرمایہ داری کے نظام میں مفلسی کے ہاتھوں بالاقساط مرنا ہے تو وہ سنگریزے کی طرح خاک میں کیوں خاموش پڑا رہے۔ وہ امراء کے شیشے کے رنگ محل پر پتھر کی طرح گر کر ان کی خوشی کی عمارت کو زمین دوز کیوں نہ کر دے! جب انسان ہو کر حیوان کی موت مرنا ہے تو خدا کا کیا احسان۔ غریب مزدور اور

کسان کی فی زمانہ زندگی تو دنیا میں دوزخ ہے۔ دوزخ سی بسر کرکے سرمایہ داروں کے سامنے خدا کی پوجا کون کرے!

تنگدستی تنگ دلی پیدا کرتی ہے۔ ایک ہوشمند غریب کا دل خدا سے باغی ہو جاتا ہے۔ جو ضروریاتِ زندگی سے محروم ہو اس سے نیکی کی توقع فضول ہے۔ اگرچہ بکری عدم تشدد کے لحاظ سے چوپایوں میں مہاتما گاندھی ہے۔ مگر تنگ آکر وہ بھی سینگ تان لیتی ہے۔ بے زبان غریب کی اگر شخصی سرمایہ کے محافظ خدا کے خلاف زبان کھل جائے تو سچے مسلمان کو خوش ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مسلمانوں کا خدا تو انسانوں میں کسی بھی امتیاز کا روادار نہیں ہو وہ طاقتوروں کو زیادہ سے زیادہ کھانے کی اجازت دیتا ہے لیکن باہم بانٹ کر کھانے پر اصرار کرتا ہے۔

کیا عقل اور طاقت کسی کو اس لئے عطا ہوتی ہے کہ وہ کم عقل اور کمزور کو لوٹ کر کھائے یا شکرانے کے طور پر عقل اور طاقت کو کم عقل اور کمزوروں کے کام میں لگائے؟ حق تو یہ ہے کہ خود سب سے کم کھائے۔ دوسروں کو اپنے سے زیادہ کھلائے۔ ورنہ خدا اپنے انعام کے متعلق سوال کرے گا۔ میں نے تجھے عقل اور طاقت بخشی کہ مخلوق خدا کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرے مگر تو نے میرے بندوں کی بربادی اور اپنی راحت کے لیے عقل و طاقت کو استعمال کیا۔ میرے انعام کی قدر نہ کرنے والے انسان۔ اب آ میرے غصے کی آگ کا مزہ چکھ!

اے غریب کسان جس کے گھر میں مفلسی کی خاموش سوگواری کے سوا کچھ نہیں۔ پروردگار کو کیوں کوسنا ہے۔ وہ تو شاہ و گدا میں امتیاز نہیں رکھتا۔ جن کی ولادت پر محلات میں لعل لٹائے جاتے ہیں یا جن کی پیدائش جھونپڑی میں مفلسوں کی تعداد میں ایک کا اور اضافہ کر دیتی ہے دونوں مولود ننگے بدن اور خالی ہاتھ دنیا میں

بھیجے جاتے ہیں موت کے بعد بھی شاہ گدا خالی ہاتھ لوٹائے جاتے ہیں۔ یہاں نہ کوئی کچھ ساتھ لاتا ہے نہ ساتھ لے کر جانے دیا جاتا ہے۔ شخصی جائیداد کا شیدا سرمایہ دار بہترا زندگی کے چند دن غریب کا پیٹ کاٹ کر اپنی پیٹ پوجا کرتا ہے ہمسایہ غریب سوکھ کر کانٹا ہوتا ہے اور یہ پھول کی طرح نکھرا نظر آتا ہے مگر موت دونوں کو مٹی میں ملانے کی منتظر ہے۔

امیر کا غریب کو اُٹھا کر برابر کا بھائی بنانا بھلائی۔ غریب کا اٹھ کر برابر بننا نیکی۔ دونوں اسی اصول سے قیامت کے دن پرکھے جائیں گے۔ امیر جس نے اپنی چالاکی کی بنا پر انسانوں میں عدم مساوات کی صورت قائم رکھی ہوگی وہ بھی نافرمانی کا مجرم اور مزدور اور کسان جس نے اپنی بے ہمتی کے باعث سوسائٹی میں اقتصادی امتیاز جاری رہنے دیا ہوگا وہ بھی ضرور سزا پائے گا۔ مت خیال کرو کہ صرف سرمایہ داروں کے پہلو ہی نارِ دوزخ سے داغے جائیں گے۔ سرمایہ داروں کے ہم نشین اور ایجنٹوں کے علاوہ بے ہمت اور غافل غریب بھی پوچھے جائیں گے کہ کیوں ان کے عزم بیکسی کے آنسو بن کر آنکھوں میں آئے۔ کیوں نہ وہ گھن گرج کر اُٹھے اور برق بن کر اُن پر گرے جنہوں نے کسان اور مزدور کے دل کی مسرتوں کو زندگی کی اداسیوں میں بدل دیا تھا۔ کیا تمہیں خدا کا ڈر نہ تھا کہ امراء سے سہمے رہے۔ تمہاری ہر روز کی زندگی مستقل مصیبت کے سائے میں پلتی تھی۔ پھر بھی فاقہ کش اکٹھے ہو کر کیوں نہ اٹھے!!

پھر اسلام کو کوئی غریب کیوں کوسے۔ وہ تو سرے سے سوسائٹی میں کسی امیر غریب یا ایسے اور امتیازات کا دشمن ہے۔ اس کا اپنا نظام مساویانہ نظام

ہے۔ جس جائیداد کا مالک اللہ ہے۔ رسول اور خلفاء امیروں سے لے کر غریبوں پر تقسیم کرنے والے اللہ کے حکمبردار بندے ہیں۔ اِس نظام اسلامی سے باہر جو کوئی غیر اسلامی حکومت میں مسلمان رہتا ہے۔ اسلام اُسے آئے سال رمضان کا سارا مہینہ مفلسی کے معنے سمجھاتا ہے۔

روزے کے بغیر کوئی کیا جانے کہ غریب کے مردہ چہرے پر بیکسی کا غبار کیوں ہوتا ہے اور اس کے دل کی بستی پر آہوں کا دھواں کیوں چھایا رہتا ہے۔ رمضان کے ابتدائی ایّام میں روزہ دار اپنے کرب سے اُن لوگوں کی اضطراب انگیز زندگی کا اندازہ کر لیتا ہے جن کے گھروں میں فاقہ سال کے باقی مہینوں میں زبردستی مہمان رہتا ہے۔ اُن کے اور اُن کے بچوّں کے خون سے پرورش پاتا ہے۔ غرض اسلامی یا غیر اسلامی نظام میں رہو خدا کی وحدانیت اور محمدؐ کی رسالت کا اقرار کرتے ہی سال میں ایک مہینے کی مفلسی کا تلخ مزہ ضرور چکھنا پڑتا ہے، تاکہ باقی گیارہ مہینے دنیا کے مفلسوں کی موت سے بدتر زندگی کا احساس رہے۔

ہر معترض یاد رکھے کہ اسلام کے اپنے نظام میں تا بحدِّ امکان مساوات ہے۔ کسی کا بھوکا رہنا ممکن نہیں۔ اسلامی نظام میں روزہ پھر بھی ضروری اس لئے ہے۔ کہ دنیا کے باقی غریبوں سے مسلمان بے خیال نہ ہو جائیں۔ جب تک دنیا میں ایک بھی فاقہ کش ہے۔ عیش سے بسر اوقات سب پر حرام ہے۔ سچی اسلامی حکومت میں میں رہو تو اقتصادی طور پر برابر رہنا ہی ہوگا۔ غیر اسلامی حکومت میں بھی رہنا پڑے تو روزہ فاقے کی ماری مخلوق کی ہمدردی کا سبق دے گا اور عقل کو سرمایہ داری کے حق میں دلائل دینے سے باز رکھے گا۔ جب اپنے بالغ بچوّں کے روزے کی

بے قراریاں دیکھے گا تو ان غریب والدین کی تباہ حالیوں کا اندازہ کر سکے گا۔ جن کے ہاتھوں میں مزدوری کرتے چھالے پڑ جاتے ہیں مگر ننھے بچوں کا پیٹ نہیں بھر سکتے۔ امیر کے گھر میں تو رمضان کے بعد عید آئے گی۔ مگر غریب کے گھر سے رمضان جاتا ہی نہیں۔ موت ان کی عید اور میت پہ بے کسی کا نوحہ ان کا راگ ہے۔ کیونکہ بھوک سے بلبلاتے بچوں کو دیکھنے سے تو آنکھیں محروم ہو جاتی ہیں۔ خود بھوکا رہ لینا اور ہے مگر بچوں کو بھوک کے درد و کرب میں مبتلا دیکھنا بلا اندر بلا، بلکہ صد بلا ہے۔

سحری کا اہتمام اور افطاری کی اُمید کے درمیان چند گھنٹوں کی بے کلی برداشت کرنا بھی قیامت ہو جاتا ہے لیکن ان کا کیا حال ہے جن کے گھر سحری اور افطاری کا سامان کبھی ہوا ہی نہیں۔ روپیہ گھر میں رکھ کر اللہ اللہ کرنا کیا نیکی ہے۔ نیکی یہ ہے کہ اس نظام کو برباد کر دیا جائے جس کی پھیلائی ہوئی بھوک کی آگ سے دوزخ پناہ مانگتی ہے۔

غریب جھونپڑیوں میں بھی بطرز شاہانہ جوان ہوتا ہے مگر غم اور مسلسل فاقوں میں مزدور کی بیٹی شباب کو خاک میں ملنے سے کب تک بچا سکتی ہے۔ اگر انہیں بھی فارغ البالی نصیب ہو اور اُلجھے بال سلجھ جائیں اور عارض سے مفلسی کا غبار دھویا جائے تو محلات کا حسن رقابت سے جل جائے مفلسی جو دردناک ڈرامہ جھونپڑیوں میں کھیلتی ہے اس کا احساس ان کو کب ہو سکتا ہے جن کی عمر عیش پرستیوں میں کٹی اور جنہوں نے فرض روزے بھی جو احساسِ لطیف کے پروردگار ہیں نہ رکھے۔ پس مذہب اسلام تو گردن خم کر دیتا ہے تاکہ ارباب غرور و اقتدار غریبوں کی بدحالی کو دیکھیں اور سال میں ایک مہینہ تو سوچیں اور محسوس کریں کہ فاقہ کیا ہے!

مفلسی مزاج میں چڑچڑا پن پیدا کرتی ہے۔ غریب گھروں میں آئے دن کی تھکا فضیحتی سے امیر ہمسایہ تنگ آجاتا ہے۔ رحم کی بنا پر سوچتا ہے کہ غریب بڑے بد تہذیب ہوتے ہیں۔ بات بات پر لڑتے ہیں۔ یہ لوگ مصیبت میں بھی امن سے نہیں رہ سکتے۔ کچھ ملے تو خدا جانے کیا کریں! انہیں معلوم نہیں کہ تنگ دستی مزاج کو بھک سے اُڑ جانے والا مادّہ بنا دیتی ہے جو ذراسی چنگاری سے طوفان بن جاتا ہے اور آدمی آگ بگولا ہو کر ناکردنی کام کر دیتا ہے۔ سرمایہ دار ایک دن روزہ رکھ کر یہ سب مقام طے کر لیتا ہے۔ بے تکلف دوست تو ان کی مشتعل طبیعت دیکھ کر کہہ ہی دیتے ہیں کہ آج روزے کی خشکی ہے۔ آئندہ اگر روزہ رکھیں تو روغن زرد زیادہ استعمال کریں۔ آج بھی رات کو سر پر روغن بادام کی مالش کروالیں۔

سرمائے کو جتنا عروج ہوگا اور سرمایہ داری کا نظام بڑھے گا مفلسوں اور بیکاروں کی تعداد ترقی کرے گی اور ملک ملک میں بنی نوع انسان مصیبتوں کا زیادہ شکار ہوں گے۔ امرا عیش کی مسند پر بیٹھے سرمایہ داری کے جواز میں دلیل پر دلیل گھڑیں گے۔ مگر روزہ گو زبان کو بند نہ کر سکے لیکن روزہ دار دل سے غریب کی زندگی کی بربادیوں کو ضرور محسوس کرنے لگتا ہے۔

سچ یہ ہے کہ عادلانہ اور مساویانہ نظام کے بغیر عوام میں امن قائم نہیں رہ سکتا۔ سچّا مذہب وہی ہے جو اقتصادی اور مجلسی مساوات کی طرف راہنمائی کرے۔ اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے۔ اس کا ہر قدم مساوات کی طرف اٹھتا ہے۔ اس میں عبادت کا مفہوم یہی ہے۔ کہ طبیعت کو سوسائٹی میں امتیازات رفع کرنے کے قابل بنایا جائے۔ جس آدمی کی طبیعت میں دوسروں کی خدمت کرنے کے

بجائے خدمت لینے اور بڑا بن کر رہنے کی آرزو ہو گی وہی اسلام سے دور اور دوزخ کے نزدیک ہو گا۔

اے عزیز! کیا قیاس ہے کہ ایک مہینے کے روزے مفلسی کے احساس کو باقی سال دل میں زندہ رکھ سکتے ہیں؟ نہیں ایسا نہیں ہوتا۔ روزے کی عارضی سختی جب تک عبادت الہٰی سے مل کر پتھر دل کو موم نہ کر دے۔ تب تک ان کا احساس دل میں دیر تک نہیں رہتا۔ جنہوں نے مفلسی کے باعث عمر بھر عید نہیں دیکھی اور جن کے دن سردیوں کی رات کی طرح تاریک رہتے ہیں۔

رمضان میں عبادت کی فضیلت اس لئے ہے کہ سحر خیزی روح کی بالیدگی کا باعث ہوتی ہے۔ روزے سے آئینہ دل پر غبار نہیں رہتا۔ نفس بد لگام فاقہ زدہ گھوڑے کی طرح نرم رَو ہو جاتا ہے۔ اس طرح طبیعت میں اخذِ خیر کی قابلیتیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ اسلام نے روزے کے اوقات معین کر کے جو رمضان کی فرضیت پر اصرار کیا۔ اس کے باعث ساری اسلامی آبادی میں ایک بابرکت ماحول پیدا ہو جاتا ہے، عبادت کے بغیر روزہ طبیعت کے دائمی انقلاب کا حامل نہیں۔ اگر دنیا کی مصیبت اور فاقہ آخرت کی جنت تعمیر کرنے کے کفیل ہوتے تو کسی کا دل برادرانہ محبّت کے لئے تنگ نہ ہوتا۔ قیاس کرو۔ کتنے ہیں۔ جنہوں نے تکلیف اور مفلسی عمر بھر نہیں دیکھی!

یہی فاقہ مست اور مصیبت زدہ جب اقتدار اور دولت کو پہنچتے ہیں تو وہی دوسروں کے خون سے اپنی سرگذشت لکھنے لگتے ہیں اور فاقے کی بے قراریوں کو بھول کر بوتل کے کاک اُڑاتے ہیں اور بدمست ہو کر ناچتے گاتے ہیں۔

امیر کی اُونچی اٹاری تک کون اپنی آواز پہنچائے کہ اے مستِ دولت! فاقہ مستوں کی خبر لے۔ کبھی تو نے بھی یہ دن دیکھے تھے یا زمانے کے ہاتھوں ایسے دن دیکھنے کا احتمال ہے۔

رنگ محل کی آسائشوں کو چھوڑ کر جھونپڑی میں بسنا کون قبول کرتا ہے۔ ہاں جو اللہ کے لیے آدھی رات کو اُٹھتے ہیں، دن بھر فاقہ کرتے ہیں۔ زبان کو بھلائی کے سوا بند رکھتے ہیں، دل کو یادِ خدا میں لگاتے ہیں، دماغ کو غریبوں کے غالب کرنے کی اُدھیڑ بُن میں مصروف کرتے ہیں۔ وہی دستِ نازک سے مئے محبت کا رنگین جام پیتے ہیں۔ مخلوق کی محبت اور خدمت کے سوا دل میں کوئی جذبہ باقی نہیں رہتا۔ عشق الٰہی بھی عشقِ مجازی کے رنگ ڈھنگ پر ہے۔ محبت میں سب کچھ لٹا دینا ہوتا ہے۔ کسی کی خاطر اپنا سب بگاڑ دینا ہی عاشق عارف کی رمز ہے۔ جو اس رمز کو نہیں پاتا۔ وہ عشق و عرفان کو نہیں جانتا۔

کہتے ہیں کوئی مسندِ ریاست پر بیٹھا یادِ خدا کر رہا تھا۔ اچانک اس نے محل کی چھت پر کسی کی گستاخانہ بھاگ دوڑ کی آواز سنی۔ شاہی انداز سے پکارا کہ چھت پر کیا ہو رہا ہے؟ جواب ملا۔ اونٹ اور ہاتھیوں کی تلاش ہو رہی ہے۔ مسند نشین نے کہا۔ بیوقوف! چھت پر ہاتھی اور اونٹ کہاں ملتے ہیں؟ کسی نے ہنس کر جواب دیا" اے عقل مند۔ تخت پر بیٹھے خدا کہاں ملتا ہے۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں

ایں خیال است و محال است و جنوں

تُو تو زندگی بھر دادِ عیش دے اور غریبوں کی خبر نہ لے۔ مگر خدا کی نظرِ کرم کی

اُمید رکھے۔ آخرت میں بھلائی درکار ہے تو یہاں بھلائی کا باعث بن۔ یہ بات پتھر پر لکیر سمجھو کہ بغیر عبادت کے روزہ فاقہ ہے عبادتیں بغیر فقر کے منظورِ مولا نہیں۔ آرام کے ساتھ عبادت اور جان کو جوکھوں میں ڈالے بغیر خدمت نہیں ہوسکتی۔ زندگی کا حاصل خدمت اور عبادت ہے پھر خدمت اور عبادت میں خدمت حقیقی مقصد ہے، عبادت وہی ٹھیک ہے جس سے مخلوقِ خدا کی خدمت کا شوق بڑھے۔ دل اپنی آرزؤں سے خالی ہوجائے اور دوسروں کا درد پیدا ہو اور عمل میں بے تابی بڑھے۔

خدا تو وہ ہے جو عقل میں آتا ہے نہ عقل سے جانا جاتا ہے۔ اس کے دوستوں نے تخیل پر تحیّر سے اس کو پہچانا ہے۔ عقل و علم کے آلات لے کر اس کو دیکھنے کہاں نکلے ہو۔ عقل کی حیرانی اور علم کی پریشانی ہی تو اس کے جاننے کی ابتدا ہے۔ جہاں علم و عقل کی سرحدات ختم ہوتی ہیں۔ وہاں سے اس کا عرفان شروع ہوتا ہے۔ عارفوں نے اُسے بیوہ کی پریشان حالیوں میں دیکھا، یتیموں کی آہوں میں پایا، دردمندوں کے دل میں چھپا ڈھونڈا لیکن کسی نے اسے نشاط باغ اور رنگ محل میں نہیں پایا۔

وہ بلبل شاخِ گل پر بیٹھتی ہے جو پہلے کانٹوں سے اُلجھتی ہے۔ اللہ کا کون عاشق ہے جو کانٹوں کا تاج اور استروں کی مالا نہیں پہنتا۔ لیکن اس کی خود آزاریاں زبردستوں کو غریب آزاریوں سے بچانے کے لئے ہوتی ہیں۔ ایسا ذہن وہ پاتا ہے۔ اللہ کی عبادت جس کو دنیا کی ہوس سے خالی الذہن کر دیتی ہے۔ جو اپنی ذات کے لئے بے درد ہوسکتا ہے لیکن اس کے لئے دوسروں کی تکلیفیں ناقابل برداشت ہوجاتی ہیں۔

رمضان میں ایک مزے کے دو مزے ملتے ہیں۔ سحر خیزی کے باعث

نماز تہجد کا سرور بھی اور روزے کی وجہ سے نفس کی شورش سے سکون بھی۔ طبیعت میں ایک خوشگوار سی یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس یکسوئی میں نفس کی پہچان بڑھتی ہے۔

بعض اصطلاحات زبان زدِ عام تو ہوتی ہیں مگر عوام سے ان کا مفہوم پوشیدہ ہوتا ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔

ہر جاہل کی زبان پر ہے لیکن جس کا کوئی حلیہ نہیں، اس کی کیا پہچان ہے نہ نفس کی شکل معین نہ نفوس کے پروردگار کی کوئی مورت اور صورت۔ روزہ اور نماز جب جمع ہو جائیں تو روح کو اک راحت ملتی ہے۔ عقل کے سوچے بغیر دل خدا کی ذات کو سمجھنے لگتا ہے انسان میں خودی مٹ جاتی ہے۔ غرور خاک میں مل جاتا ہے۔ اس کی ساری خدائی میں وہ اپنے آپ ہی کو حقیر پاتا ہے۔ نماز کی عبادت اور روزے کی ریاضت اس کو نظامِ کائنات میں اس کی اصلی جگہ بتاتے ہیں۔ اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ میں کس باغ کی مولی ہوں اور میری کیا بساط ہے۔ اس غیر متناہی نظام میں کوئی شاہ ہوا تو کیا۔ گدا ہوا تو کیا۔ خضر کی عمر پائی تو کیا۔ کلی کی طرح ایک دفعہ مسکرا کر مٹی ہوئے تو کیا۔ زندگی میں اک موت سی طاری ہوتی ہے۔ مگر یہ موت اور مایوسی کا ایک لمحہ حیاتِ جاوداں سے بہتر ہوتا ہے۔ اس کے بعد سچی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ طبیعت دنیا کی بے ثباتی کو دل سے قبول کرتی ہے۔ اور اپنی بے بسی پر آگاہ ہوتی ہے۔ حق الیقین کے ساتھ انسان جان لیتا ہے کہ نیک ارادہ اور خدمت خلق ہی میرا اشرف ہے باقی دنیا ہیچ دکانِ دنیا ہیچ۔

یاد رکھو۔ اللہ کے عبادت گذار مخلوق کے خدمتگذار ہونے چاہئیں۔ اس سے جلدی روح پر رنگ برسنے لگتا ہے اور کارخانۂ کائنات ایک لیلا نظر آتی ہے منّے کے تبسّم اور پھول کی شگفتگی میں وہی وہ نظر آتا ہے ہر طرف دوست ہی دوست نظر آتے ہیں۔ دشمن ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔

جس نے تاروں کی چھاؤں میں اُٹھ کر نماز تہجد پڑھی۔ صبح صادق ہونے سے پہلے سحری کھائی اور دن بھر بُرے خیالات سے دل و دماغ کو پاک رکھا اس پر آہستہ آہستہ ایک محویت اور کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ بعض بدنصیب رمضان کے بعد فوراً الللّے تللّے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ قسمت والے رمضان کی کیفیت کو سال بھر جاری رکھتے ہیں اور اچانک زندگی میں موت کا مزا پاتے ہیں۔ یہ موت غلط آرزوؤں کی موت ہوتی ہے۔

علمی طور پر تو روزہ کے فوائد جسمانی ہیں مگر جسم کمزور ہونے سے روح کی طاقت بڑھتی ہے۔ آئینۂ دل غبار سے صاف ہو کر جگمگا اٹھتا ہے۔ جان مضمحل سی ہوتی ہے۔ گناہ کی جسارت چھین لی جاتی ہے۔ جسم میں جتنا فتور ہے سب دانۂ گندم کا قصور ہے۔ اس کی زیادتی ابن آدم کو جنت سے لڑھکا دیتی ہے۔ خوراک کی کمی نفس کی شورشوں کو کم کرتی ہے۔ کم خوابی۔ کم خوری۔ کم گوئی انسان کو پُرنور سیمابی فضاؤں اور تاروں کی ضیاؤں میں لے جاتی ہے۔ کس قوم نے اللہ کا حکم مان کر رات کو دن بنا دیا۔ رمضان کے مہینے میں مسلمانوں کی ہر بستی رات کا آخری حصّہ جاگتی ہے۔ طبیعتوں میں نیا انقلاب اور نئی زندگی کا ظہور ہوتا ہے۔ ریاضت اور عبادت کے اس مہینے میں سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے لیکن مسلمانوں نے اپنی غفلت سے

خدا کی خوشنودی کے اہم عنصر کو نظر انداز کر دیا ہے۔ یعنی مخلوق خدا کی خدمت کا کوئی اہم کام سرانجام نہیں دیا جاتا۔

روزے کی نماز کی طرح دوگونہ غایت ہے۔ تعلق باللہ بڑھ جانا اور مخلوق میں مساوات کا پیدا کرنا۔ انسانوں میں عدم مساوات کے حق میں عقل فتویٰ نہیں دیتی لیکن گمراہ دل دوسروں پر مجلسی اور اقتصادی فوقیت چاہتا ہے۔ نماز اور روزے ان انانیتوں اور بے جا سرکشیوں کو دل سے نکال پھینکتے ہیں۔ دلِ عقل کو پھر گمراہ نہیں کرتا۔ اللہ کا تعلق طبیعت میں انکسار پیدا کرتا ہے۔ یہ بات کثرتِ عبادت سے حاصل ہو جاتی ہے لیکن احتیاطاً ساتھ روزے کی ریاضت بھی شامل کر دی تاکہ بھوک کا دکھ نظر سے اوجھل نہ ہو اور بھوک کی ماری مخلوق کے حال سے انسان بیگانہ نہ ہو۔

حج اور زکوٰۃ

حج مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہے۔ غریبوں سے ہم آہنگی اور مظاہرۂ مساوات کا بے مثال موقعہ ہے۔ وہاں کسی کو تاج شاہی، کلاہِ خسروی پہن کر آنے کی اجازت نہیں۔ وہاں صرف "لنگئے زیر و لنگئے بالا۔ نے غمِ دزد و نے غمِ کالا" کے مصداق بننا پڑتا ہے۔ شاہ ہو یا گدا سب کو احرام باندھ کر کئی کئی روز غریبانہ بسر کرنا ہوتا ہے۔ ایک چادر کا تہہ بند اور ایک چادر اوڑھنے کو۔ سردی کا موسم ہو تو مصیبت۔ گرمی کے ایام ہوں تو تکلیف۔ سر ننگا۔ گرم لُو یا ٹھنڈی ہوائیں جب دو چادروں میں بسر کر کے طواف اور سعی کرنی پڑتی ہے تو غریبوں کی دردناک زندگی آنکھوں کے سامنے آنسو بن کر آجاتی ہے۔ کعبہ یا اللہ کے گھر میں جو داخل ہوگا وہ بحالِ غریبانہ داخل ہو سکے گا۔ آرائش زیبائش کے سارے سامان اتار کر بصورت درویشانہ جانا ہوگا۔ یہ اس امر کا اسلامی اعلان ہے کہ خدا کو مساوات پسند ہے۔

اسلام کے نزدیک انسانوں میں عدمِ مساوات سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں، باقی سب گناہ اسی جذبۂ غرور کی پیداوار ہیں۔ انسان باغِ ہستی کے رنگ برنگ

کے پھول ہیں۔ ان سب کو روشنی اور پانی کی ضرورت ہے۔ اگر ایک حصّے کو پانی اور روشنی ملے دوسرے کو نہ ملے تو باغ کا دوسرا حصہ مُرجھا جائے گا۔ کوئی کسی کے زیرِ سایہ پرورش نہیں پا سکتا۔ ہمیں خدا نے امدادِ باہمی کی عقل دی ہے۔ اس کی بنا پر فرائض کی تقسیم کا حق ہے لیکن دوسرے کو اپنے سے کمتر سمجھنے کا حق نہیں۔ اسلام کامل مساوات کا انتھک پیغام ہے، ہر فرضِ اسلامی میں اللہ کی عبادت اور انسانوں میں مساوات کا قانون شامل ہے۔ اسلام کی عمارت کے چار ستون ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ ان چاروں کی بنیاد مساواتِ کامل پر ہے۔ سرکشی اور سرداری کے سارے سامان جلا کر بھلائی بن کر بسر اوقات کرنے کا نام سچّا دین ہے۔ جس کو اللہ کی حضوری کی خواہش ہے۔ وہ بے سامان ہو کر رہے۔ اربابِ سامان الّا ماشاءاللہ ہمیشہ سرکش ہوئے۔ سرمایہ سامانِ امتیاز پیدا کرتا ہے اور عبادت کے منشاء کو فوت کرتا ہے۔ اس سرمائے سے کیا فائدہ جس سے ایمان کی پونجی برباد ہو جائے! جن اللہ والوں نے کسی مصلحت کے ماتحت اسے اپنے پاس بھی رکھا تو سانپ کی طرح اس کی نگداشت کی۔ اسی لئے الٹ پلٹ کر اسلام نے مختلف عبادات میں مساوات کی ریاضتوں کو قائم رکھا۔ تاکہ کسی نظام یا کسی حال میں رہ کر یہ بات نظر سے اوجھل نہ ہو جائے کہ سچّی زندگی مساواتِ کامل کی زندگی ہے۔ عدمِ مساوات کی حالت میں امن کی صبح دنیا میں طلوع نہیں ہو سکتی۔ گناہ اور جرم کی جڑ سرمائے کی غیر مساوی تقسیم اور جذبۂ غرور ہے۔ اسلام کی عبادات اور ریاضت سرمایہ دار اور مغرور دونوں کے دماغ کا علاج ہیں۔

روزے کی ریاضت سے زیادہ حج کی صعوبت اور سختی ہے غریب الدّیار ہونا

غم کا پشتارہ اٹھا کر صحرا میں سفر کرنا ہے، اداسیاں ہر طرف استقبال کرتی ہیں۔ ہر دلچسپ چیز غم کی زرد چادر اوڑھے نظر آتی ہے۔ ہر قدم بے یقینی کی منزل کی طرف اٹھتا ہے۔ حج کا سفر بجائے خود اندھیرے میں چھلانگ ہے۔ لیکن مراسم حج ایک ایسی مشقت ہیں جو نازک مزاجیوں کو غبارِ راہ بنا کر اڑا دیتی ہے۔ بادشاہ کو بھی مزدور کی سی سعی کرنا پڑتی ہے اور سپاہی کی زندگی کا تجربہ اٹھانا پڑتا ہے۔

اسلام نرم و نازک مذہب نہیں جو قالینوں پر لوٹ کر اور ریشمی گدیلوں پر بیٹھ کر پروان چڑھے۔ بلکہ ہر حال میں مزدور کی طرح بسر اوقات کو اسلامی زندگی کا جزو بنانا پڑتا ہے۔ جو اس سے اٹھکر امتیاز اور آرام کی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرے گا وہ مسلمانوں کو ذلیل اور کمزور کرے گا۔ مسلمان اللہ کی فوج کا سپاہی اور دنیا کی تعمیر کا مزدور ہے، وہ ظلم کو دور کرنے کے لیے جان لڑائے اور اہل دنیا کے آرام کے لئے محل بنائے۔ اسلام کی تمام عبادتوں اور ریاضتوں کا مقصد یہی ہے نماز روزہ اور حج عبادت بھی ہیں اور ریاضت بھی۔ اس کا نتیجہ دنیا میں کامل امن۔ سچی اخوت اور پوری مساوات ہے۔

وہ نبی جس کے عمل و اخلاق کو دیکھ کر قدرت مسکرائی۔ جب خاک کی چادر اوڑھ کر ہمیشہ کی نیند سو گیا تو امت کے سرمایہ داروں نے سرکشی کے لیے سرگوشیاں کیں۔ کہا کہ نماز، روزہ اور حج رہے مگر زکوٰۃ معاف کر دی جائے۔ دارالخلافے میں کھلبلی مچ گئی۔ کئی نیک نیت صحابہ نے حضرت ابوبکرؓ کو مشورہ دیا کہ امراء کے ہاتھوں اسلام ہی مٹا جاتا ہے۔ بغاوت پھیل کر دروازے تک آ پہنچی ہے۔ صلح کے سوا چارہ نہیں۔ تاریخ کے اس دردناک باب کو پڑھو اور خلیفۂ اوّل کی پریشانیوں

کا اندازہ کرو۔ اللہ نے ابوبکرؓ کے عزم کو سہارا دیا۔ ورنہ اپنی طرف سے سرمایہ داروں نے چراغ مصطفویؐ کو بجھانے میں کیا کسر اٹھا رکھی تھی! زکوٰۃ جیسا انوکھا ٹیکس درحقیقت سرمایہ داروں کی جیب میں سوراخ ہے جس سے ایک نہ ایک دن جیب خالی ہو جاتی ہے۔ آمدن پر مطالبہ ہو تو سرمایہ داری محفوظ ہے، زکوٰۃ زرِ اصل پر ٹیکس ہے۔ جس کے پاس پچاس روپے ہیں وہ اسلام کے نزدیک سرمایہ دار ہے اور اسلامی قانون اس کی نگرانی میں لگ جاتا ہے۔ حکومتِ اسلامی کے نزدیک وہ ایسا شخص ہے جس سے اندیشہ زیادہ اور نیکی کی امید کم ہے۔

اسلام سے قبل جائیداد کے مالک اشخاص سمجھے جاتے تھے۔ اسلام نے دنیا ومافیہا کو خدا کی ملک قرار دیا۔ انکم ٹیکس کی جگہ اصل زر پر ٹیکس لگایا۔ یہ بنیادی تبدیلی امراء کی یا تو سمجھ میں نہ آئی یا ان کے دل کو نہ بھائی۔ اس لئے موقع پاتے ہی گھات سے سر نکالا۔

ادھر حضرت ابوبکرؓ کو خیال تھا کہ اس بارے میں ڈھیل دی تو مذہب اسلام کی اقتصادی بنیادیں بدل جائیں گی۔ اس لئے رسول کریمؐ کی پاک صحبت سے فیضیافتہ جرنیل نے تدبیر کو تقدیر کے حوالے کرکے دین کے اصول کو بدلنے سے انکار کر دیا۔ آخر تلوار نے حضرت ابوبکرؓ کے حق میں فیصلہ دیا۔

زکوٰۃ غریب کے حق میں کم از کم مطالبہ ہے جو اسلام ضروری سمجھتا ہے۔ اگر مسلمان اسلامی سلطنت کے باہر بھی بستا ہے تو بھی اس پر واجب الادا ہے۔ خود اسلامی سلطنت میں تو خلیفہ اور اس کی کونسل جب چاہے جس طرح چاہے افراد کی جائیداد پر قبضہ کرکے اسے بحق عوام استعمال کر سکتے ہیں۔

غرض شخصی جائیداد بروئے اسلام قوم کی طرف سے امانت ہے۔ امانت دار

خلیفہ اور اس کی کونسل کے سامنے لوگ آمد و خرچ کے لئے جوابدہ ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ لوگ اپنی جائیداد یا اس کی آمدنی کو حسب منشا خرچ کریں۔ سامانِ عیش و عیاشی پر خرچ کرنا تو کجا۔ خالدؓ بن ولید جیسے فاتح اور جرنیل کی معزولی اس لئے عمل میں آئی کہ انہوں نے دس ہزار روپیہ خوش ہو کر ایک شاعر کو دے دیا تھا اور ان پر حضرت عمرؓ کی بارگاہِ خلافت سے اسراف یعنی فضول خرچی کا الزام لگا تھا۔

سرمایہ طاقت اور امتیاز کا سرمایہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے کوئی نہیں چاہتا کہ اس سامانِ اقتدار و غرور کو اپنے سے علیحدہ کر دے۔ اسلام اقتدار و امتیاز دونوں کا دشمن ہے۔ وہ سامان اقتدار و غرور کو جلا کر انسانوں میں مساوات دیکھنا چاہتا ہے اس لئے زکوٰۃ اور جائیداد کی تقسیم شرعی سرمایہ کے ایک جگہ جمع ہونے سے روکنے کے لئے کم از کم مطالبے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی خلیفہ اور اس کی کونسل جائیداد کی مساوی تقسیم کا حکم جاری کر سکتی ہے۔ جائیداد سوسائٹی کے فائدے کے لئے ہے۔ سوسائٹی جائیداد کے تابع نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام کے ابتدائی ایّام میں باوجود دولت اور سلطنت کے کسی کو پختہ مکان بنانے اور گھر پر پہرہ کی چوکی بٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

سلطنت اسلامی کے ابتدائی تیس برس تو مسلمانوں میں ایسی برابری کی صورت قائم رہی جو اس وقت تک روس میں بھی قائم نہ ہو سکی۔ نہ اور سو سال تک اس کی امید ہے۔ حالانکہ روس میں مساواتِ کامل سلطنت کا قانون ہے۔ اسلام بھی کامل مساوات کا مذہب ہے، اس میں عبادت اور ریاضت کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ صرف طبیعتیں خوشدلی سے مساوات کے قانون پر عمل کرنے کے لئے خود بخود آمادہ

ہو جائیں بلکہ ہر قسم کے امتیاز کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں، انسانی سوسائٹی صحیح معنوں میں بھائی چارہ ہو۔ اس میں کوئی امیر اور کوئی بیچارہ نہ ہو۔ ہر طرف سکھ چین کا راج اور رہپہرہ ہو اور انسان کے لئے دنیا بہشت ہو جائے۔

پس مسلمان دنیا میں بہشت کا معمار ہے جو دنیا میں سب کے لئے زیادہ امن و آرام پیدا کرے گا وہ آخرت میں بھی بہشت کا وارث ہوگا۔ آؤ عبادت الٰہی کی بنیادوں پر خدمتِ خلق کے محل تعمیر کریں۔ تاکہ لوگ بلا قیدِ رنگ ونسل، مذہب و ملّت آرام پائیں۔ عبادت الٰہی کے بغیر طبیعت میں غرور اور انانیت آجاتی ہے اور خدمتِ خلق کا جوش جلدی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے خود غرضی دل کے دروازے کھول کر اندر گھس آتی ہے۔ خدمت خلق ہر مذہب کی جان ہے اگر یہ نہیں تو مذہب نہیں۔

سوسائٹی کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ عوام میں مالی امتیاز کو خاص طور سے مٹایا جائے اور ہر شخص کے لئے ضروریات زندگی کی ضمانت دی جائے۔ یہ تب تک ممکن نہیں جب تک غریبوں کو منظم کر کے عوام کا راج قائم نہ کیا جائے۔ عوام کا راج قائم کرنا اور اس کو قائم رکھنا کتنا کٹھن کام ہے!

اسلام باوجود نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ کے ۳۰ برس سے زیادہ اس نظام کو نہ چلا سکا۔ کیونکہ ہمارے عمل سے روح نکل گئی۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی دنیاوی غرض نظر سے اوجھل ہو گئی۔ جھونپڑیوں کی جگہ محلّات تعمیر کر کے بعض مسلمان سمجھے کہ اسلام کی شان دوبالا ہو گئی قوم میں کامل مساوات کا جذبہ پیدا کرنے کا خیال اور ملک میں غریبوں کا راج قائم کرنیکی آرزو باقی نہ رہی۔ مسلمان امراء نے عیسائی سلاطین کے ماتحت ملازمتیں قبول کر کے اپنا آرام ڈھونڈا اور عام مسلمانوں کو قسمت پر چھوڑ دیا۔

عجب اُلجھن

ہندوستان جو کبھی جنت نشان تھا۔ اب قلیوں کی حقیر بستی ہے۔ یہاں امراء چند اور غربا کی کھیپ ہے۔ صوبہ پنجاب میں ۱۳ لاکھ اشخاص گداگری کے پیشہ پر گذران کرتے ہیں ہندوستانی حکومت کسی کو کام دلانے کی ذمہ دار نہیں لیکن یورپین بے سروسامان پایا جائے تو اُسے ہندوستان کے خرچ پر یورپ بھیج دیا جاتا ہے۔

میں نے کونسل میں کوشش کی کہ پنجاب میں انسداد گداگری کی کوئی صورت کی جائے۔ ایک ہندو سرمایہ دار نے کونسل میں جواب دیا کہ اگر گداگری کا انسداد ہو گیا تو خیرات دینے اور اظہارِ رحم کے دروازے امراء پر بند ہو جائیں گے۔ گویا چند امراء کو شان بندہ پروری دکھانے کے لئے ملک میں گداگروں کی فوج رہنی چاہیئے۔ چونکہ ڈاکٹر موجود ہیں۔ ملک میں بیماری بڑھانی چاہیئے۔

میری سابقہ تحریروں کو دیکھ کر بعض نے کہا کہ اگر اقتصادی مساوات ہو جائے تو خدمتِ خلق کی جس کا تم ڈھنڈورہ پیٹتے ہو کہاں گنجائش ہے! اقتصادی مساوات میں تو کسی کو کسی کی احتیاج نہ رہے گی؟ میں نے کہا پھر دنیا بہشت بن جائے گی ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

اس حال میں اقتصادی نظام کو برقرار رکھنا اور اس کو درہم برہم ہونے سے بچانا ہی خدمت ہو گی۔ لیکن خدمتِ خلق کے موقعے مہیّا رکھنے کے لئے دنیا میں بھوک اور دُکھ کا دور دورہ نہیں رکھا جا سکتا۔ چند امیر ہوں اور کروڑوں بے اطمینانی کی زندگی بسر کریں۔

۱؎ یہ کتاب برصغیر کی تقسیم اور حصول آزادی سے پہلے لکھی گئی اُس وقت بھی یہی حالت تھی

اس حالت کو ختم کرنا سچے مسلمان کا مقصد ہے۔ پس جو شخص دنیا کو اہل دنیا کے لئے امن و اطمینان کی جگہ بنانے میں اپنی جان لڑائے گا وہی آخرت میں جنت پائے گا۔ سچا مذہب یہی کہتا ہے یہ جذبہ انہی کے دلوں میں تادم مرگ پرورش پاتا ہے جو عبادت الہٰی کے ذریعے اپنے خیالات کو پاک رکھتے ہیں ورنہ چند برس کے بعد ولولے سرد پڑ جاتے ہیں۔ طبیعت خود غرضی اور زر اندوزی کی طرف لگ جاتی ہے۔ خدا اور انسان دونوں بھول جاتے ہیں ؛

اللہ کا سپاہی بہشت کا معمار

مسلمان اللہ کا سپاہی اور بہشت کا معمار ہے۔ اس کا دل کدورت سے صاف اور خدمتِ انسانی کے جذبے سے معمور ہونا چاہیئے۔ ساتھ ہی جسم اسلحہ اٹھانے کے قابل اور پتھر ڈھونے کے لائق ہو تو بات ہے۔ بیمار اور کمزور تو ہسپتال کے لیے ہیں وہ سپاہی اور معمار نہیں ہو سکتے۔ جس دل میں ارادہ ہو لیکن سفر کی تکلیف اٹھا نہ سکے منزل مقصود پر کب پہنچ سکتا ہے!

اپنے ارادے کے ساتھ جسم کو مضبوط کرو۔ زخمیوں کو فوج میں شامل نہیں کیا جاتا۔ مزدور کے جسم کو دیکھ کر تعمیر پر لگایا جاتا ہے۔ اگر دنیا میں کچھ کرنا ہے تو جسم اور صحت کی نگہداشت کرو۔ اس کے بغیر نیکی کے سفر سے جلدی تھک کر بیٹھ جاؤ گے۔ رزق کی کمی خون کو چوس کر ہڈیوں کا پنجر بنا دیتی ہے۔ اس لئے غریب کو تلاشِ معاش میں کوشش کرنی چاہیئے۔ تاکہ فکرِ فاقہ سے خود اور اہل و عیال آزاد رہیں لیکن مسلمانوں نے ہمت شکن نشوں کو رواج دے رکھا ہے اگرچہ میں سگرٹ شراب اور دوسری منشی اشیاء کو بھی سوسائٹی کے لئے مضر سمجھتا ہوں لیکن حقہ نوشی نے تو ہماری

ہمتوں کو دھواں بنا کر اڑا دیا ہے۔ قوم میں کسی نشے سے اتنی کاہلی اور سستی پیدا نہیں ہوئی جتنی کہ حقہ نوشی سے۔ پوست، افیون، بھنگ اور چرس بھی ایسے ہی عزم شکن ہیں لیکن ان کے استعمال کرنے والے انگلیوں پہ گنے جا سکتے ہیں۔ مگر ہر شہر اور بستی کی کثیر اسلامی آبادی حقہ نوش ہے۔ حقہ نوش قوم ہرگز سپاہی نہیں ہو سکتی۔ میں نے مسلمان عمارت بنانے والوں کو حُقہ نوش مزدور سے دامن بچاتے پایا ہے وہ ہر مزدور سے پوچھ کر اطمینان کر لیتے ہیں کہ وہ حُقہ نوش تو نہیں؟ جو کسان حُقہ پیتے ہیں ان کے کھیت محنت کی کمی کے باعث بے رونق اور جو حُقہ نہیں پیتے انکی کھیتیاں زر اگلتی ہیں۔

ایک ہی گاؤں میں سکھ جو حُقہ نوش نہیں۔ حُقہ نوش مسلمان کسانوں سے بہت بہتر حالت میں رہتے ہیں۔ اللہ اللہ سکھوں کے کھیتوں پر نور برستا ہے اور حُقہ نوش مسلمانوں کی فصل میں خاک اُڑتی ہے۔ حالانکہ زمین ایک ہی قسم کی ہوتی ہے۔ جہاں اہل حدیث لوگوں کے گاؤں ہیں اور وہ حُقہ نہیں پیتے ان گاؤں کی فصلوں کا مقابلہ ان سے کرو جو حُقہ نوش ہیں۔ زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔

جن گاؤں میں سکھ حُقہ نوش ہیں اُن کے مکان اور کھیت دیکھ لو، ہر طرف خدا کی لعنت برستی ہے۔ بخدا جس گھر میں حقہ آئے گا اس کی برکت چلی جائے گی۔ کیا شراب اور دوسرے نشے اس لئے حرام و ممنوع ہیں۔ کہ ان میں صرف حواس کم اور دنیا خراب ہوتی ہے؟ نہیں بلکہ خدا اور انسان کے درمیان ایک دیوار کھڑی ہو جاتی ہے۔

اہل ذکر سے اس حقیقت کا اندازہ پوچھو کہ نشوں کا اثر صرف ظاہر پر نہیں بلکہ روحانی کیفیتوں پر زیادہ ہے۔ البتہ جنہوں نے فقیری کو عیاری کا پردہ بنا لیا ہے۔

انہیں ان مصیبتوں میں مبتلا پاؤ گے۔

وجدان نے باوجود میرے اپنے گنہ گار ہونے کے دو چیزوں پر گواہی دی۔ کہ بغیر نماز کے کوئی زنا سے نہیں بچتا اور حقہ نوشی کے گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ ان قوانین کی استثنا بہت کم ہے۔ میں مسلمان نوجوان کے کیریکٹر کا ان دو باتوں سے اندازہ لگاتا ہوں۔ ان دو باتوں کے بغیر روح اور جسم کی صحت برقرار نہیں رہ سکتی۔ اس لئے کوئی ایسا شخص خدا کی فوج کا سچا سپاہی اور بہشت کا عمدہ معمار نہیں بن سکتا۔

کسی مذہب کی کتاب کو دیکھنا چاہتے ہو ہ سب کے اوراق کو الٹ پلٹ کر دیکھ لو۔ غریبوں کی خدمت اور بیکسوں پر مہربانی ہر مذہب کی تعلیم کی جان ہے۔ مگر اس کتابی سچائی کو زندگی کی حقیقت یا اسلام نے ابتدائی تیس سالوں میں اپنایا یا اب سرخ روس ان کوششوں میں مصروف ہے ورنہ دنیا کے سرمایہ داروں نے ہر زمانے میں دنیا کے غریبوں، مزدوروں کا رونا رو کر ان کو مصیبت کے سمندر میں ڈبویا اور کبھی ابھرنے نہ دیا۔ اب پھر ہم نے اسلام کی سچائی کو عمل کا جامہ پہنانا ہے۔ مزدور کی دنیا کو روشن اور غریب کو گڑھے سے اٹھا کر اس کو زمانے کا سردار بنانا ہے۔

جب تک ملک میں غریبوں کی حکومت مساوی بنیاد پر قائم نہ ہو گی امرا تب تک برابر قانون پر حکمران رہیں گے اور قانون غریب کو چکی میں پیستا رہے گا۔ قسمت نے ہمیں ہندوستان میں پیدا کر کے اسلامی تعلیمات کی آزمائش کا میدان ہمارے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ تاکہ خدمت اور قربانی کی بنا پر ہم دین کو سب

ادیان پر غالب کر کے دکھائیں۔ اگر حسنِ اخلاق اور بے لوث خدمت کر کے اسلام کو حقیقی امن اور سلامتی کا مذہب کر دکھائیں تو اسلام کی تائید میں لاکھوں کتابیں لکھنے سے بہتر ہے۔

عمدہ کیریکٹر بجائے خود تبلیغ کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ جھگڑا کر کے رائے تبدیل کرنا بہت کُند ہتھیار ہے۔ اپنی عمدہ سیرت کو لوئی دلیل بنانا دوسروں کے دل و دماغ پر قابو پانے کا آسان گُر ہے۔ میں نے اس دفعہ جیل میں مذہب کے مخالف چند سوشلسٹوں کو دیکھا۔ جن کے پہلو میں غریب مزدوروں اور کسانوں کا سچّا درد اور بہت بڑی تڑپ تھی۔ انہوں نے کہا کہ:

"جس دن تم ہمیں کتاب میں نہیں عمل میں ایسے مذہب کی صورت دکھا دو گے جو واقعی غریبوں کا ساتھی ہو تو ہم قائل ہو جائیں گے۔ ہم نے تو اہلِ مذہب کو سرمایہ داروں کا ساتھی ہی پایا ہے۔ وہ محض نمازوں اور چند فقروں پر اکتفا کر کے بہشت اور سورگ کے ٹھیکیدار بن جاتے ہیں۔ ان کے دل میں مزدور اور کسان کی کوئی محبّت نہیں۔ اُن کی درویشی بھی سلطانی کی طرح عیاری ہے۔ اُن کی ساری سعی کا مقصد یہ ہے کہ امیر ہمیشہ مزے اُڑائیں اور مزدور، کسان یُونہی مبتلائے مصیبت رہیں۔ امیر اور غریب کی جب کبھی ٹکر ہو گی۔ مولوی، پنڈت، پیر اور سوامی سب امیر کی طرف ہو کر غریب کو دبائیں گے۔ کہیں گے امیر اور غریب خدا نے بنائے ہیں۔ ہم سوشلسٹوں کے نزدیک انسانیت کا تحفظ سب سے بڑا مذہب ہے۔ اس مذہب کی پیروی بغیر اقتصادی مساوات کے ممکن نہیں۔"

میں نے جواب دیا "یہی اسلام کا پروگرام ہے۔" مگر میں اس سوال سے

لاجواب ہو گیا۔ کہ "ایسی خوبیوں والا اسلام کہاں ہے؟"

آؤ پھر اسلام کو تازہ کریں جو محمدؐ رسول اللہ پر اترا اور جس پر ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور حیدرؓ نے عمل کیا۔ شہنشاہیت کے باوجود ایک ادنیٰ بدوی کی طرح بسر اوقات کی غریبانہ کھایا، موٹا پہنا اور ہر طرح مساوات قائم رکھی۔ کوئی اجنبی نبی اور اُمتی میں تمیز نہ کر سکا۔ کسی نے خلیفہ اور رعایا کو کسی حال میں الگ نہ پایا۔

ابوبکر صدیقؓ کے سوا باقی تینوں خلفائے برسرِ عام شہید کئے گئے مگر کسی نے خطروں کے باوجود دروازوں پر دربان نہ بٹھایا اور محفوظ ایوان نہ بنایا۔ انہیں جان سے زیادہ مساوات عزیز تھی۔ یکے بعد دیگرے جان دی مگر قوم میں خلیفہ اور عوام کے درمیان کوئی امتیاز نہ چھوڑا۔

جس نبی نے کبھی پیٹ بھر کر نہ کھایا ہو اور جس نے لڑکی کے جہیز میں چرخہ اور چکی دی ہو۔ اُس کی اُمت گھروں میں سامانِ عیش ترتیب دے کر دعوائے اسلام نہیں کر سکتی۔ ہماری سلامتی اسی میں ہے کہ سر پر پتھر ڈھو کر اللہ کا گھر تعمیر کرنے والے نبیؐ کی طرح ملک کے مزدور کی زندگی بسر کریں۔ تاکہ سوسائٹی میں سب امتیاز مٹ جائیں اور سب کو پیٹ بھر کر کھانا ملے۔ جب تک مخلص اور سچے مذہب کے باہمت پیرو کوشش کر کے مزدوروں اور کسانوں کو منظم کر کے عوام کا بلا امتیاز راج قائم نہ کریں گے زمین پر خدا اور اسلام کا منشا پورا نہ ہو گا۔

بعض اوقات چھوٹے منہ سے بڑی بات نکل جاتی ہے۔ اگر بے سمجھ

نیچے کا تیر اتفاقیہ نشانے پر جا لگتا ہے۔ میں ہندوستان میں مسلمان کی سعی و عمل کا ایک پروگرام پیش کرتا ہوں۔ آپ اپنی حقیقت شناس عقل کی کسوٹی پر پرکھیں۔ بات کانٹے کے تول پوری اُترے تو اُس پر عمل کریں ؎

پروگرام

اسلام دنیا میں عادلانہ اور مساویانہ نظامِ حکومت پیش کرتا ہے، وہ سرمائے کو سوائے بیت المال کے اشخاص کے ہاتھ میں اکٹھا دیکھنا نہیں چاہتا۔ اسی لئے سُود کی حُرمت اور جمع زر کی مذمت کی گئی۔

قرونِ اولیٰ میں اگر کوئی سرمایہ دار نظر آتا ہے تو وہ انگریزی زبان کے مقولے کے مطابق ایسی استثنا ہے جو عام قانون کو ہی ثابت کرتی ہے۔ حضرت عثمانؓ یا حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی سرمایہ داری آج کل کی بے راہ رو سرمایہ داری نہ تھی۔ کیونکہ ان کی زندگی باوجود سرمایہ داری کے ایک عامی عرب کی زندگی تھی۔ انہوں نے خرچ میں کوئی امتیاز نہ رکھا تھا۔ وہ اس مال کا اپنے آپ کو امین سمجھتے تھے اور مالک قوم کو جانتے تھے۔ اس لئے مجال کیا کہ کبھی اسراف کیا ہو اور دُنیا کی زینت فراہم کرنے کے لئے خرچ اُٹھایا ہو۔ ان کا مال سوائے جماعتی اور قومی کاموں کے کہیں خرچ نہ ہوتا تھا۔

مزدور کا پہلے خون نچوڑنا اور سُود لینا۔ پھر اس کا ایک حصّہ عوام پر خرچ

کرکے مخیر کہلانا مذموم فعل ہے۔ پہلے مزدور اور کسانوں کو بھوک کے مرتے دیکھنا پھر مرے پر کفن ڈالنا رحم دلی نہیں بلکہ اپنے سرمائے کا بے وقت اظہار ہے۔ ایسی خیرات کو بند کرنے کے لئے بیت المال ہے۔ بیت المال کو مضبوط کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔ تاکہ ملک میں مساوات قائم کرنے کی بنیادیں مضبوط ہوں اور حاجتمند بطور حق کے بیت المال سے مدد حاصل کریں ۔

سونے کے گڑوے میں آب زمزم ڈال دو۔ اگر پیندے میں چھید ہو گا تو پانی سب بہہ جائے گا۔ سرمایہ دارانہ نظام میں اسلام چھیدا ہُوا برتن ہے۔ اگر سونے چاندی کے پہاڑ بھی مسلمانوں کے حوالہ کر دیئے جائیں تو بھی ایک دن وہ افلاس کی موجودہ حالت کو پہنچ جائیں گے۔ کیونکہ ان کا سارا لٹریچر زر کے لالچ سے بے نیاز رہنے پر زور دیتا ہے اور عوام مسلمانوں نے مذہب میں ان ہی کی لیڈری تسلیم کی ہے جن کے گھر میں چو ر دن کو بھی آکر مایوس جاتے ہیں اور جو ہے فلا بازیاں کھاتے ہیں۔ بادشاہوں اور امیروں کا مذہبی لٹریچر میں کہیں ذکر نہیں۔ ایسی تعلیم اور ماحول میں مسلمانوں سے بڑے بنکوں، انشورنس کمپنیوں کو چلا کر امیر بننے پر زور دینا عربی پڑھا کر سنسکرت کے اعلیٰ امتحان میں کامیاب کرانے کی اُمید لگاتا ہے ۔

میری یہی رائے ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں مسلمان ہمیشہ ماہی بے آب اور طائرِ بے پر رہے گا ۔ وہ صرف ایسے نظامِ حکومت میں آسودہ رہ سکتا ہے جو کامل اقتصادی بنیادوں پر قائم ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے " فیوض الحرمین " میں اپنے ایک مکاشفہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے :

"ایک دفعہ مجھے دربار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ میں نے عرض کیا یا رسُول اللہ موجودہ دور میں نظام حکومت کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا فک کل نظام یعنی کسی عادلانہ نظام قائم کرنے سے پہلے سب سے اہم فریضہ یہ ہے کہ انقلاب پیدا کر کے موجودہ تمام جابرانہ نظامہائے حکومت کو درہم برہم کر دیا جائے۔"

روُح کی رفعتوں سے ناواقف خواہ مکاشفات کا مذاق اڑائے عقل تاریخی شہادت کی بنا پر رسولؐ پاک سے کسی اور مشورے کی امید نہیں رکھ سکتی۔ اگر چودہ سو سال پہلے غریبوں کو حکومت پر حاوی کر دینے والا نبیؐ پھر ہمارے درمیان آجائے تو یقیناً دنیا کے موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کو درہم برہم کرنے میں اپنی جوانی کی ساری بہاریں قربان کر دے اور تمام امور میں خلیفہ عمّالِ حکومت اور رعایا کے حقوق یکساں کر دے۔ کیونکہ مساوی نظام کے بغیر عدل قائم ہی نہیں ہو سکتا۔ مگر اس نکتہ کو وہ نہیں سمجھ سکتے۔ جنہوں نے مفلسی کا بھیانک نظارہ اپنے گھر میں نہیں دیکھا۔ بھوک سے بیتاب بیوی کی اُداس نگاہوں کا جائزہ نہیں لیا۔ افلاس سے ماری اولاد کے غمگین چہروں پر نگاہ نہیں کی۔

پس وہ عبادت کھرا سونا ہے۔ جو دل میں مخلوق خدا کے لئے رحم پیدا کرے اور خدمت کے لئے بے پناہ جذبے کی تحریک کرے۔ خدمتِ خلق اور رحم کی بہترین صورت عادلانہ اور مساویانہ نظام حکومت ہے۔ دنیا کی مصیبتوں کا علاج، عبادت کا حاصل اور خدمتِ انسانی کی اجتماعی صورت سمجھ کر قائم کیا گیا تھا۔ اس لئے ایسا نظام حکومت پھر پیدا کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔ اس میں جو حصہ لے گا اور اس کے لئے مال اور جان کی قربانی کرے گا وہ خدا کا محبوب ہوگا۔

یاد رکھو خود غرضی اور انانیت وہ شیطانی جذبات ہیں جو بدمعاشی کو قبول کرنے والے دروں میں ہی پیدا نہیں ہوتے۔ بلکہ نیک آدمیوں کے قلعہ بند دلوں کو بھی مسخّر کرکے اندر اچانک آگھستے ہیں۔

سرمایہ داری ان دونوں رذیل جذبات کی پروردگار ہے۔ اس سے خود بچنا اور دوسروں کو بچانا خدا کی عبادت اور مخلوق کی بہترین خدمت ہے۔ اس کی صحیح صورت دُنیا میں مساویانہ نظام ہے۔ غیر مساویانہ یعنی سرمایادارانہ نظام میں شیطان جگہ جگہ دام فریب پھیلائے رہتا ہے۔ اسلام مساوات کا پیغام ہے غیر مساوی نظام اسلام سے کھُلا جنگی اعلان ہے اسی لئے ہمارے مذہبی لٹریچر میں شہنشاہوں اور سرمایہ داروں کی کہیں جگہ نہیں۔ سرمایہ داری کی مذمت میں قرآن نے تکرار سے کام لیا۔ باوجود اس کے مسلمان اس کی مضرّت سے بے پرواہ ہو گیا۔ آج ہم دُنیا کو کس زبان سے یقین دلائیں کہ ہماری عبادات اور مذہبی رسومات کا بڑا مقصد دُنیا میں ہر امتیاز کو ختم کرکے نیکی کو شرف وسعادت کی بنیاد بنانا ہے۔ مالی، نسلی اور خاندانی امتیازات شیطان کا فریب ہیں، ان سے انسانوں کو بچانا جہادِ اکبر ہے۔

---

ll
entre

ہماری چند مطبوعات

تصانیفِ طالب ہاشمی

(۱)	سیرتِ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص	۱۶/- روپے
(۲)	سیرتِ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ	۲۰/- "
(۳)	سلطان نورالدین محمود زنگیؒ	۲۰/- "
(۴)	الملک الظاہر بیبرسؒ	۲۰/- "
(۵)	ملک شاہ سلجوقی	۱۲/- "
(۶)	سیرتِ حضرت ابو ایوب انصاریؓ	۲۰/- "
(۷)	یعقوب المنصور باللہ	۲۵/-

تصانیفِ چودھری افضل حق (مرحوم)

(۱)	زندگی	۱۵/- روپے
(۲)	محبوبِ خدا	۱۳/- "
(۳)	دینِ اسلام	۱۲/- "
(۴)	جواہرات	۱۲/- "

تصانیفِ محمد سعید

(۱)	الجزائر	۲۴/- روپے
(۲)	تیمور	۲۰/- "
(۳)	صقلیہ	(زیرِ طبع)
(۴)	استنبول	(زیرِ طبع)
(۵)	زہرۃ الروم	۳۰/- "

قومی کتب خانہ

۱۹- فیروز پور روڈ —— لاہور

زندگی

تصنیف : چودھری افضل حق

زندگی صحتِ خیال اور پاکیزگیٔ مطالب کے لحاظ سے دَورِ حاضر کے اکثر معنی طراز ادیبوں کی دقیقہ سنجیوں پر فوقیت رکھتی ہے ـــــ اور بلا خوفِ تردید یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ :

ـــــ ایسی مُفید کتابیں اُردو ادب میں بہت کم شائع ہوئی ہیں !

زندگی کے نئے مُسافروں کے لیے یہ کتاب بہترین رہنما ثابت ہوسکتی ہے۔

عمر رسیدہ احباب کے لیے بھی اس کے بعض ابواب عمر رفتہ کی شیریں یاد یا آیندہ کا ہولناک تصور ہو سکتے ہیں۔

وہ قومیں

جو زندگی کے ڈرامے کو ایک بے کار تماشائی کی حیثیت سے دیکھنے کی خوگر اور اپنی زندگی کو اہلِ دُنیا کیلیے مُفید بنانے سے لاپروا ہیں، کیا تعجّب کہ اس کتاب کے مُطالعے سے نئی اُمنگوں کے ساتھ اِنسانیّت کی تعمیر میں لگ جائیں!

قیمت : پندرہ رُوپے

قومی کُتب خانہ ○ ۱۹- فیروزپور روڈ ○ لاہور